www.urducouncil.nic.in

جون 2019 ، قیمت :-/10₹

ماھنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly BACHON KI DUNIYA, New Delhi

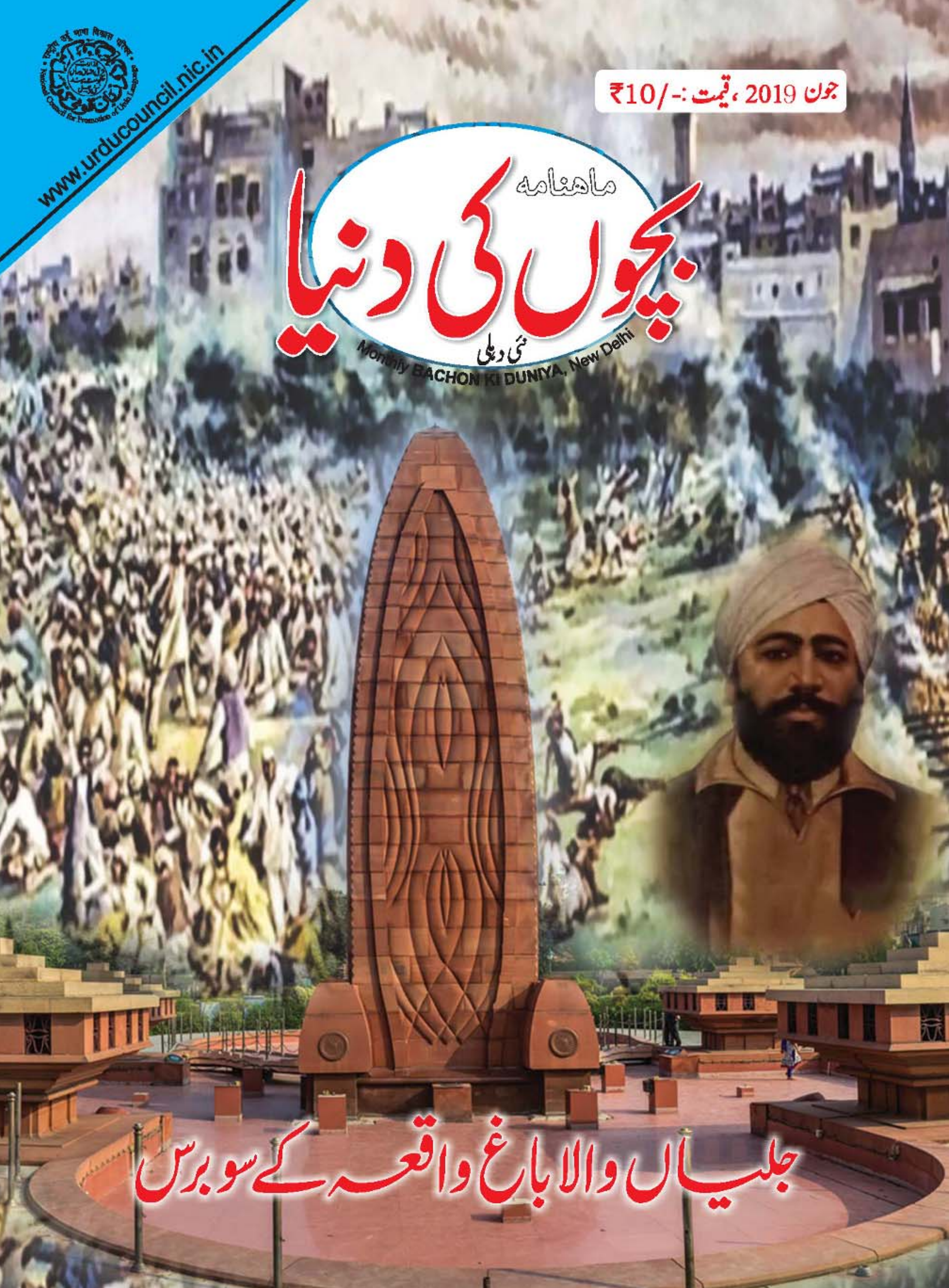

جلیاں والا باغ واقعہ کے سو برس

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اُردو دُنیا
دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 15 روپے، سالانہ: 150 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہمیں لکھیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159
E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

بچوں کی دنیا

جلد: 7 شمارہ: 06 جون 2019

مدیر: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

نائب مدیر: ڈاکٹر عبدالحی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون: 49539000
شعبہ ادارت: 49539009-11

ای میل

bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

قیمت: /10 روپے، سالانہ/100 روپے

▪ اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

'بچوں کی دنیا' کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتے پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت

ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی-110066
فون: 26109746

ای میل: sales@ncpul.in
ncpulsaleunit@gmail.com

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 5-1، پتھر گٹی، حیدرآباد-500002
فون: 040-24415194

اس شمارے میں

مدیر کا خط	آپس کی باتیں		04
بڑوں کی باتیں	ڈاک خانہ		05
جلیاں والا باغ واقعہ کے سو برس	جلیاں والا باغ کی خونی داستان	ریحان حسن	06
	جدوجہد آزادی کا شہید: اودھم سنگھ سردار	ریاض الحق	10
	رام محمد سنگھ آزاد	فرحان سعید خان	13
مضامین	بھگت کبیر	صفدر حسین	15
	تعطیل اور ہماری ذمے داریاں	محمد تنویر رضا برکاتی	19
عیدالفطر	رمضان المبارک	ایم اے شوکت	21
	عید مبارک، عید مبارک	عطاء الرحمن طارق	22
	عیدگاہ	عبدالرزاق دل کولہاپوری	23
	عید	عاطف عدنان شیخ صادق	24
	عید کے دن کا بادشاہ	رونق جمال	26
نظمیں	بلند حوصلے	محبوب راہی	28
	سیکھو	تنویر اختر رومانی	29
	مہربانی کے دن	جاوید اکرم	30
	تین بندر، پیدل چلنا	وید متر شکل	31
کہانیاں	دادی کی بکری	ذکیہ مشہدی	32
	دولت	ایم رحمان	35
	ندامت کے آنسو	اکرام شبنم امروہوی	38
	انصاف	محسن خان	41
باتصویر کہانی	شہر میں ایک جنگل	کمارن ست سیوم	46
قسط وار ناول	اقوال حضرت جلال الدین رومی	محمد عتیق الحقی	52
کہکشاں	علم کی طاقت	عارفہ نازراجو ملا	53
	قلم	خیر النساء اے مکاندار	54
	اپنی محنت کی کمائی	ایمن الطاف حسین عطار	54
	بنو موسیٰ شاکر	ثانین محمد فاروق	55
	اقوال زریں	شیخ نور جہاں عبدالغفار	55
	ہنسی کے غبارے		57
	امجد کی بہادری	سید شیب محی الدین	58
ننھے فنکار	بچوں کی پینٹنگ		60
	فیس بک		62

آپس کی باتیں

پیارے دوستو! جون کا شمارہ حاضر ہے۔ اِس شمارے کے ساتھ ہی ہم 'بچوں کی دنیا' کے ساتویں سال میں قدم رکھ رہے ہیں۔ گذشتہ 6 برسوں میں آپ سب نے 'بچوں کی دنیا' کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور آپ کے خطوط ہمیں حوصلہ بخشتے رہے ہیں۔ 'بچوں کی دنیا' کو ہم نے شروع سے ہی آپ کی پسند کے مطابق سجانے کی کوشش کی ہے۔ آپ سب سے یہ بتاتے ہوئے ہمیں خوشی ہو رہی ہے کہ 'بچوں کی دنیا' نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ممالک میں بھی مقبول ہے اور ہمارے پاس لندن، امریکہ، جرمنی و پاکستان جیسے ممالک کے ادیبوں کی تخلیقات بھی موصول ہوتی رہتی ہیں۔ ہم اپنے تمام قلمکاروں اور قارئین کے ساتھ ساتھ 'بچوں کی دنیا' فروخت کرنے والوں کے بھی شکر گزار ہیں۔ آپ سب کی کوششوں کی بدولت ہی یہ رسالہ اِس قدر مقبول ہوا ہے۔ 'بچوں کی دنیا' کی اشاعت کا مقصد اردو زبان وادب کا فروغ تو ہے، ہی ساتھ ہی اردو زبان کے ذریعے اپنی تہذیب اور ثقافت سے جڑے رہنا اور اس کی معلومات بھی حاصل کرنا ہے۔ اسی لیے ہم 'بچوں کی دنیا' میں نئے اور اچھوتے موضوعات پر مضامین اور کہانیاں شائع کرتے ہیں تاکہ آپ سب کی معلومات میں اضافہ ہو اور آپ سب 'بچوں کی دنیا' سے لطف اندوز بھی ہوں۔

دوستو! آپ سب جانتے ہیں کہ ہمارا ملک ہندوستان ایک طویل عرصے تک انگریزوں کی غلامی میں رہا اور ہمارے رہنماؤں کی جدوجہد اور قربانیوں کی بدولت ہمیں 1947 میں آزادی نصیب ہوئی۔ اِس آزادی کے لیے ہزاروں سورماؤں نے اپنی جان کی قربانی دی۔ آزادی کی جدوجہد کے کئی پڑاؤ ہیں۔ 1857 میں پہلی جنگ آزادی لڑی گئی تھی۔ اُس کے بعد ہر ہندوستانی کے دل میں برطانوی حکومت کے لیے شدید نفرت پیدا ہوگئی اور ہندوستانیوں نے جگہ جگہ انگریز حکومت کے خلاف احتجاج کیا۔ آج سے ٹھیک سو سال پہلے 1919 میں جب پہلی جنگ عظیم چھڑی تھی، تو اسی دوران برطانوی حکومت جنگ کے ساتھ ساتھ ہندوستانی عوام کی جدوجہد آزادی کو کچلنے کے لیے ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ اسی سلسلے میں انگریز حکومت نے 21 مارچ 1919 میں رولٹ ایکٹ نافذ کیا جس کے تحت کسی بھی ہندوستانی کو بغاوت کے جرم میں گرفتار کیا جاسکتا تھا۔ گاندھی جی نے اس ایکٹ کے خلاف پورے ملک میں ایک دن کی ہڑتال کا اعلان کیا۔ 10 اپریل 1919 کو اس ایکٹ کے تحت انگریز حکومت نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال آنند کو گرفتار کرلیا۔ اِس گرفتاری کے خلاف عوام میں کافی غم وغصہ تھا اور لوگ سڑکوں پر اتر آئے تھے۔ لوگوں کے احتجاج کو دیکھتے ہوئے انگریز سرکار نے پنجاب میں مارشل لا لگا دیا لیکن مارشل لا سے بے خبر 13 اپریل 1919 کو بیساکھی کے دن ہزاروں کی تعداد میں لوگ امرتسر کے جلیاں والا باغ میں اکٹھا ہوئے تاکہ انگریز سرکار کے اِس کالے قانون کے خلاف احتجاج درج کرائیں۔ اس احتجاجی جلسے میں بیساکھی کے تہوار میں شرکت کے لیے امرتسر کے آس پاس سے آئے ہزاروں لوگ بھی شامل تھے۔ جلسے کے دوران بریگیڈیئر جنرل ڈائر نے پنجاب کے گورنر مائیکل اوڈائر کے حکم پر نہتے لوگوں پر گولی چلانے کا آرڈر دے دیا۔ اِس فائرنگ میں 1000 سے زائد ہندوستانی مارے گئے۔ اس سانحے نے پورے ملک کو ہلا کر رکھ دیا اور پورے ملک میں انگریزوں کے خلاف نفرت کا ماحول پیدا ہوگیا۔ اِس سانحہ کو 2019 میں سو سال پورے ہوگئے ہیں۔ اس واقعے نے انگریز حکومت کے خلاف جدوجہد آزادی کو مزید ہوا دی۔ اِس سانحے کے ٹھیک 21 سال بعد پنجاب کے سپوت سردار اودھم سنگھ نے جنرل ڈائر کو لندن میں گولی مار کر ہندوستانیوں کے قتل عام کا بدلہ لیا۔ یہ سب آپ کو بتانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ سمجھ سکیں کہ ہمارا ملک کتنی کوششوں اور قربانیوں کے بعد آزاد ہوا تھا اور آج ہم آزاد فضا میں سانس لے رہے ہیں۔ 'بچوں کی دنیا' کے اِس شمارے میں جلیاں والا باغ سانحہ کے سو برس پورے ہونے پر خصوصی مضامین شامل ہیں جو آپ سب کو ضرور پسند آئیں گے۔

اب آپ 'بچوں کی دنیا' پڑھیں۔ شمارے میں عید اور رمضان کی مناسبت سے بھی تحریریں شامل کی گئی ہیں۔ شمارے پر آپ کے تاثرات کا انتظار رہے گا۔ آپ سبھی کو رمضان اور عید کی مبارکباد!

آپ کا

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

ڈاک خانہ

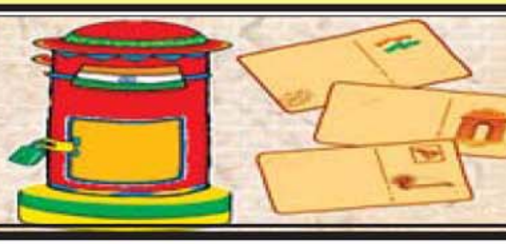

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان سے جتنے بھی رسالے شائع ہوتے ہیں ان میں ماہنامہ بچوں کی دنیا، سب سے زیادہ تعداد میں شائع ہوتا ہے۔ یہ ادب اطفال کی دنیا میں اہم ترین سنگ میل رکھتا ہے۔ اردو کی تاریخ کا سب سے خوب صورت، خوب سیرت شاندار رسالہ ہے۔ یہ ادارہ خود اس پر 'قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش' لکھتا ہے۔ اس رسالے میں پیاری پیاری نظمیں، دل چسپ کہانیاں، معلوماتی مضامین، ہنسنے ہنسانے کی باتیں، کہکشاں، سیاحتی مقامات، اردو فیس بک، دماغی ورزش، ننھے فنکار، ڈاک خانہ اور ان کے علاوہ بھی کئی مستقل کالم اور بہت کچھ ہے۔

ماہ فروری 2019 کا شمارہ پیش نظر ہے۔ آپس کی بات میں آپ نے بچوں کو مقصد کے لیے 'محنت ضروری ہے' کا پیغام دیا ہے۔ جوان کے لیے مشعل راہ بنیں گے۔ کسی نے کہا

کام کرنا ہی کامیابی ہے

محمد رافع شاد اعظمی ندوی کا مضمون 'گفتگو میں برمحل اشعار کا استعمال' سادہ اور سلیس زبان میں بچوں کے معیار کے اشعار کو پیش کرتا ہے۔ مضامین میں رنگوں کی کہانی، پال واکر، کہانی موبائیل۔ ہم تو چڑیا ہیں، شہد کی مکھی اور تتلی، نافرمانی کا انجام، سزا یافتہ، پاپا کی راہ پر، پیاری کے علاوہ باتصویر کہانی زمین

شامل ہے۔ قسط وار ناول شہر میں جنگل کا سلسلہ خوب ہے۔ اس کے علاوہ کہکشاں اور ننھے فنکار کے تحت مضامین شامل ہیں، جن سے بچوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر م ق سلیم، صدر شعبہ اردو شاداں کالج، حیدرآباد، تلنگانہ

میرا نام سید شاداب احمد ہے۔ میں فوکس اسکول حیدرآباد کا مدرس ہوں۔ آئی بی اسکول ہونے کی وجہ سے اردو زبان پڑھانے کے لیے مجھے کسی درست کتاب کی پابندی نہیں ہے۔ مجھے صرف بچوں کو ان کی مادری زبان لکھنا، پڑھنا اور اس کی شیرینی کے ساتھ بولنا سکھانا ہوتا ہے اس لیے میں کتابچوں میں خاص کر 'بچوں کی دنیا' اور پرتھم بکس کی کتابوں کے علاوہ اردو ویب سائٹ کا استعمال کرتا ہوں۔ میں ہر ماہ 'اردو دنیا' اور 'بچوں کی دنیا' منگواتا ہوں۔ بہت مفید ہوتی ہیں اس لیے میں نے سوچا کہ ایک نامہ ان لوگوں کے نام لکھوں اور شکریہ ادا کروں جو واقعی بچوں کے لیے آج بھی لکھ رہے ہیں۔ ماہ فروری میں نظموں کا جو گلدستہ پیش کیا گیا اس کے ہر پھول کی مہک سے بچے خوش ہوئے۔ خاص کر 'اردو' سید سبحان صاحب کی بہت پسند آئی خدا ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔

سید شاداب احمد، پی وائی پی اردو ٹیچر فوکس اسکول، نور خان بازار حیدرآباد

ریحان حسن

جلیاں والا باغ کی خونی داستان

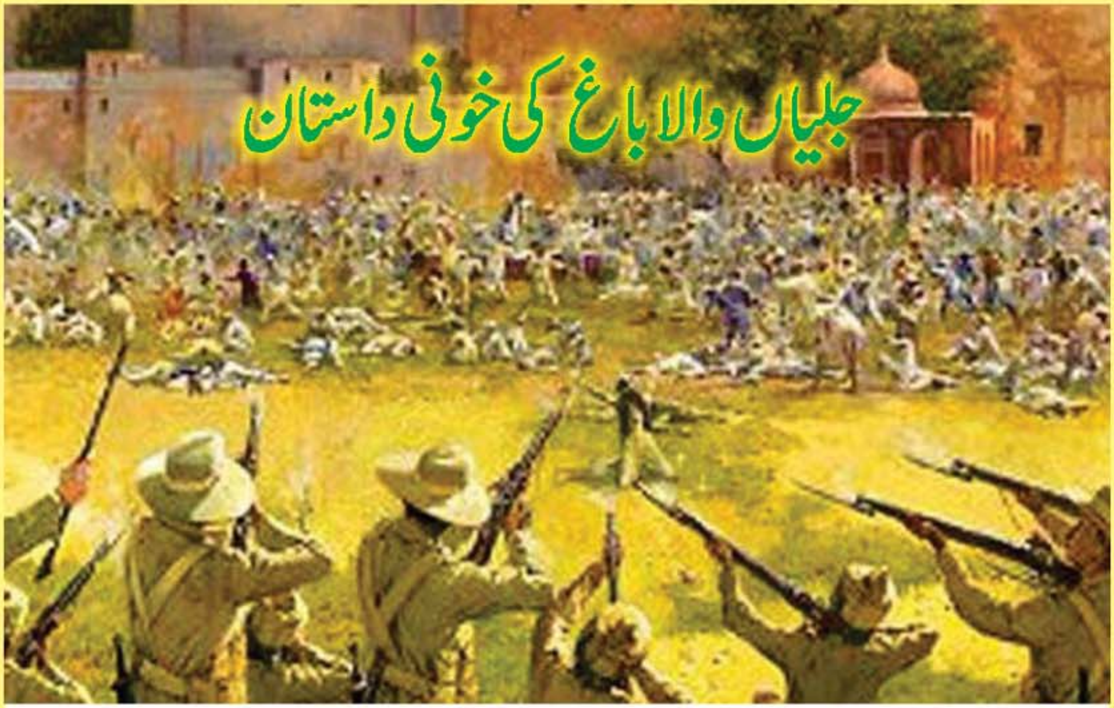

ہندوستانی عوام نے انگریزوں کے ظلم سے نجات پانے کے لیے آزادی حاصل کرنے کی کوششیں شروع کیں تو برٹش حکومت نے رولٹ ایکٹ پاس کیا کہ جس کے تحت کسی بھی شخص کو شک کی بنیاد پر بھی گرفتار کیا جا سکتا تھا اور اس پر مقدمہ چلا کر سزا دی جا سکتی تھی۔ اس رولٹ ایکٹ کی بھرپور مخالفت کی گئی لیکن 21 مارچ 1919 کو اس قانون کو نافذ کر دیا گیا۔ اس قانون کی اطلاع ملتے ہی مہاتما گاندھی نے پورے ملک میں 30 مارچ کو احتجاج کرنے کا اعلان کر دیا۔ بعد میں کچھ مجبوریوں کی وجہ سے احتجاج اور جلوس نکالنے کی تاریخ تبدیل کر دی گئی۔ 5 اپریل کو بندے ماترم ہال کٹرہ شیر سنگھ امرتسر میں خفیہ میٹنگ کی گئی جس میں یہ فیصلہ لیا گیا کہ 6 اپریل کو پورے شہر میں ہڑتال اور مظاہرے کیے جائیں گے چنانچہ پورے ملک میں 6 اپریل کو ہڑتال ہوئی۔ پنجاب کے 19 شہروں میں محبانِ وطن نے انگریزوں کے خلاف تشدد اور نفرت کا جی بھر کر اظہار کیا۔ مہاتما گاندھی پنجاب کے لیے روانہ ہوئے لیکن ضلع گوڑگاؤں کے پلول ریلوے اسٹیشن پر گرفتار کر کے انھیں احمد آباد بھیج دیا گیا۔ اس کا ردعمل یہ ہوا کہ انگریزوں کے خلاف صدائے احتجاج اور بڑھ گیا۔

یوں تو احتجاج میں پورا ملک شریک تھا لیکن امرتسر کے عوام نے اس احتجاج میں سرگرم حصہ لیا حالانکہ جنرل ڈائر نے ہر قسم کے اجتماعات اور جلوس پر پابندی عائد کر دی تھی جس کے نتیجے میں امرتسر کے بازار اور سڑکیں ویران تھیں۔ 9 اپریل کو امرتسر کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے رام نومی کا تہوار اخوت و محبت کے ساتھ اس طرح منایا کہ ہندو اور مسلمانوں نے جگہ جگہ لگی ہوئی شربت کی سبیلوں پر شربت پی کر چھوت چھات کی روایت کو ختم کر دیا جس سے انگریز سرکار کی پھوٹ ڈالو اور

حکومت کرو کی حکمت عملی کو شدید دھکا پہنچا۔ پنجاب کے اہم لیڈروں ڈاکٹر ستیہ پال اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی تقریروں پر تو امرتسر کی ضلعی انتظامیہ نے پہلے ہی سے پابندی عائد کر دی تھی۔ حکومت نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیہ پال کو گرفتار کر کے ڈپٹی کمشنر کے بنگلے میں رکھا۔ اس خبر سے امرتسر کے عوام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ 10 اپریل 1919 کو امرتسر میں دنگے بھڑک گئے۔ غصہ میں عوام نے یوروپین کو قتل کر دیا۔ اسی دوران لوگوں نے چرچ آف انگلینڈ کی عورت مشنری مارسولہ شیر ووڈ پر ایک گلی میں قاتلانہ حملہ کیا لیکن کچھ لوگوں نے اس کی جان بچا لی۔ ہزاروں کی تعداد میں عوام ایڈورڈ برج (موجود بھنڈاری پل) کی طرف بڑھے۔ پل پر چڑھتے ہی جلوس کا سامنا انگریز فوجیوں سے ہوا گوروں نے کہا تم لوگوں کو پل سے پار جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ سن کر بھیڑ میں سے سترہ سال کا نوجوان بھولا نکلا اس کے آگے بڑھتے ہی گوروں نے ریوالور سے گولی چلا دی۔ یہ دیکھ کر بھیڑ نے پولس پر پتھر پھینکے۔ عوام کی طرف سے پتھراؤ شروع ہوتے ہی انگریز افسروں نے فائر کرنے کا حکم دے دیا۔ تین راؤنڈ انگریز فوجیوں نے گولیاں چلائیں جس کے نتیجے میں پل پر ہی بائیس لاشیں بچھ گئیں۔ یہ دیکھ کر عوام غم و غصہ میں مسجد سے باہر نکلے اور ٹاؤن ہال کی طرف چل پڑی۔ بپھرے ہوئے نوجوانوں نے ریلوے اسٹیشن پر حملہ بول دیا۔ مال گودام کو جلاتے ہوئے نوجوانوں نے ریل آفیسر مسٹر رابنسن کو مار ڈالا۔ ہال بازار میں ہجوم نے نیشنل بینک کے انگریز افسر مسٹر سوارٹ اور مسٹر اسکاٹ اور لائنڈز بینک کے مینیجر تھامسن کو ہلاک کر ڈالا۔ گورا فوج کے سپاہیوں نے ہجوم کے جوش و خروش کو دیکھ کر فائرنگ کر دی جس میں دو لوگ زخمی ہو گئے۔ ان میں سے چوک فرید کا ایک مسلمان بھی تھا۔ فائرنگ کے بعد بینک کے گودام کو لوٹ کر ہجوم نے آگ لگا دی۔ عوام نے ٹاؤن ہال میں میونسپل کمیٹی کا ریکارڈ بھی خاکستر کر دیا۔ اس کے علاوہ عوام نے سرائے سنت رام کی عمارت میں قائم تار گھر کو نقصان پہنچاتے ہوئے چھ ہرٹہ پٹی اور قصور ریلوے لائن کو بھی نقصان پہنچایا۔ اس وقت امرتسر کی مجموعی آبادی ڈیڑھ لاکھ تھی لیکن شہر میں نظم و نسق برقرار رکھنے کے لیے 1475 انگریز اور 710 سپاہی تعینات تھے۔ گورنر پنجاب نے جنرل ڈائر کو جو کہ اردو فارسی کا بھی عالم تھا طلب کیا۔ 11/اپریل 1919 کو شہر امرتسر کو اس نے اپنی تحویل میں لیا اور دفعہ 144 کا سختی سے نفاذ کیا۔ امرتسر میں پولیس فائرنگ کے نتیجے میں 120 لوگ جاں بحق ہوئے جن میں متعدد مسلمان بھی تھے جن کی نماز جنازہ عطاء اللہ شاہ بخاری نے ہال بازار مسجد خیر الدین میں پڑھائی۔ 12/اپریل کو گورا فوج نے شہر میں گشت کر کے امرتسر کے عوام کو ڈرانے کی کوشش کی لیکن 13 اپریل کو بیساکھی کے دن جب کسان گیہوں کی پکی فصل کاٹنے کا انتظار کر رہے تھے تو ملک کے عوام گیہوں سے زیادہ انگریزوں کی غلامی کی زنجیر کاٹنے کو بے قرار تھے۔ امرتسر کے آس پاس کے عوام بیساکھی کے تیوہار پر شری ہرمندر صاحب کی زیارت کے ساتھ ساتھ اپنے لیڈروں کی تقریروں کو سننے کے لیے جلیاں والا باغ میں جمع ہو گئی۔ دراصل جلیاں والا باغ جلی نام کے شخص کی زمین تھی اس مناسبت سے اس باغ کا نام جلیاں والا باغ ہو گیا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سکھوں کے پانچویں گرو گرو ارجن دیو صاحب نے جب دربار صاحب کا سنگ بنیاد رکھا تو سائیں

میاں میر جی کو دربار صاحب کی سنگ بنیاد رکھنے کی دعوت دی اور ان کے قیام کا انتظام اسی جگہ پر رکھا تو ان کے ساتھ رہنے والے فقیر ذکر کے موقع پر سماع کی حالت میں پہونچ جاتے تھے جسے پنجابی میں ''جلی پونا'' کہتے ہیں۔ غالباً اسی مناسبت سے اس باغ کا نام جلیاں والا باغ ہو گیا۔

سرکاری ممانعت کے باوجود اسی جلیاں والا باغ میں ساڑھے چار بجے جلسہ شروع ہوا جس کی صدارت کنہیا لال جی نے کی۔ جب جنرل ڈائر کا قافلہ ہال گیٹ میں گھسا تو دیکھا کہ عوام جمع ہو کر انگریزوں کے حکم کو منھ چڑا رہے ہیں اس وقت باغ میں درگا داس تقریر کر رہے تھے۔ جنرل ڈائر نے اہم داخلی راستے بند کروا کے ہندوستانیوں کو سزا دینے کی خاطر پانچ بج کر دس منٹ پر مجمع کو کوئی تنبیہ دیے بغیر گولیاں چلانے کا حکم دیا۔ حکم کے ملتے ہی نہتے عوام پر گولیاں برسنے لگیں۔ دس منٹ تک 1650 گولیاں چلائی گئیں۔ عوام بھاگنے لگے، لیکن راستہ نہ ہونے کے سبب باغ کا کنواں لاشوں سے بھر گیا۔

سرکاری رپورٹ کے مطابق 379 لوگ اور کانگریس سمیتی کے مطابق تقریباً ایک ہزار افراد مارے گئے۔ کچھ افسر بھی قتل کیے گئے، نیز دو انگریز عورتیں بھی بری طرح زخمی ہوئیں لیکن امرتسر سیوا سمیتی نے مرنے والوں کی تعداد 501 بتائی ہے اور جلیاں والا باغ یادگاری ٹرسٹ نے 388 افراد کی فہرست جاری کی ہے اور جلیاں والا باغ شہید خاندان کی سمیتی کے پاس 436 افراد کے ناموں کا اندراج ہے اور پنجاب گورنمنٹ ہوم منسٹری نے فائل نمبر 139 میں 381 ناموں کو درج کیا ہے۔ اس حادثے میں 1208 لوگوں کے زخمی ہونے کی تصدیق کی گئی ہے لیکن امرتسر کے سول سرجن ڈاکٹر اسمتھ کے مطابق 1526 لوگ زخمی ہوئے۔ جلیاں والا باغ امرتسر میں فائرنگ کے دوران جنرل ڈائر کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ذرا اور نیچے کی طرف فائرنگ کرو تا کہ زیادہ سے زیادہ لوگ مارے جا سکیں۔

درحقیقت امرتسر میں محبان وطن نے جام شہادت کو نوش کر کے بیساکھی کی شان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوبالا کر دیا۔ جب بھی بیساکھی کا نام زبان پر آتا ہے تو شہیدان جلیاں والا باغ کا نام بھی زبان پر آ جاتا ہے۔ یہ دونوں اس طرح لازم و ملزوم ہیں کہ جب تک دنیا آباد ہے یہ دونوں نام ساتھ ساتھ لیے جائیں گے۔

امرتسر کے اس قتل عام کے بعد ذلت بھرے قوانین نافذ کیے گئے۔ شہر میں ہفتوں کرفیو لگا رہا۔ لوگوں کو سر عام کوڑے مارے جاتے۔ جس جگہ پر دو انگریز عورتوں پر حملہ ہوا تھا وہاں امرتسر کے عوام کو پیٹ کے بل رینگنے پر مجبور کیا جاتا تھا۔ وہ اذیت گاہ آج بھی 'چاہ کوڑیاں' کے نام سے جانی جاتی ہے جو انگریزوں کی بربریت اور ظلم کی یاد دلا کر خون کے آنسو رُلانے پر مجبور کر دیتی ہے۔ جلیاں والا باغ کے قتل عام کے بعد جو لوگ گرفتار کیے جاتے تھے انھیں پنجروں میں رکھا جاتا تھا، مال و اسباب کو ضبط کرنے کے ساتھ ساتھ ہندو اور مسلمان کو ساتھ ساتھ ہتھکڑی لگا کر انھیں اتحاد کا مزہ چکھایا جاتا تھا۔ پنجابی عوام کی یہ مظلوم داستان ملک کے گوشے گوشے میں پہونچی اور عوام کے دلوں میں انگریزوں کے خلاف نفرت میں مزید اضافہ ہوا۔ اس بھیانک حادثہ کے خلاف مہاتما گاندھی نے قیصر ہند خطاب، جمنا لال بجاج نے رائے بہادر خطاب اور رابندر ناتھ

ٹیگور نے ''سر'' کے خطاب کو واپس کردیا۔

سچ تو یہ ہے کہ جلیاں والا باغ کا یہ حادثہ ایسا تھا کہ جس نے پورے ملک کے عوام کو خواب سے بیدار کردیا۔ جلیاں والا باغ میں نہتے عوام کو انگریزوں نے قتل کر کے خود انگریزی حکومت کے جابر و ظالم ہونے کا ثبوت فراہم کردیا۔ انسانیت کو شرمسار کر دینے والے اس حادثے نے صرف ہندوستان کے ہی عوام کو بیدار نہیں کیا بلکہ انگریزوں کے مردہ ضمیر کو بھی بیدار کردیا۔ چنانچہ اکتوبر 1997 میں برٹین کی رانی ایلزابیتھ 2 جلیاں والا باغ میں شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرنے کے بعد جنرل ڈائر کے ظلم و تشدد کے نشانات کو دیکھ کر رو پڑیں۔ فروری 2013 میں برطانیہ کے وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرن نے ہندوستانی عوام سے معافی مانگتے ہوئے اظہار افسوس کیا۔ اس کے علاوہ وزیر اعظم تھریسا مئے نے بھی اظہار غم کرتے ہوئے تاریخ پر اسے بدنما داغ بتایا۔ برٹش سرکار کے ہندوستان میں موجودہ سفیر ڈامنیک اسکیوتھ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ یہ واقعہ ہندوستان کی تاریخ کا شرمناک واقعہ ہے، جو ہوا اس کے لیے ہمیں بے حد افسوس ہے۔ انگریزی حکومت کا اس شرمناک واقعہ پر اظہار افسوس کرنا جلیاں والا باغ میں مرنے والوں کے خون ناحق کی گواہی اور ہندوستانی عوام کی کھلی ہوئی فتح ہے۔

دراصل جلیاں والا باغ میں ملک کے لیے عوام کی دی ہوئی اس قربانی نے ملک کو آزاد کرانے کے جذبے کو تیز کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ سچ تو یہ ہے کہ انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کے خواب کو پورا کرنے کی طرف یہ پہلا قدم تھا۔ جلیاں والا باغ کا یہ واقعہ ہمیں درس دیتا ہے کہ گولیوں کی بوچھاروں میں بھی آزادی کے پرچم کو بلند رکھیں۔ اس واقعہ کو سو سال پورے ہو چکے ہیں لیکن آج بھی اس کی یاد ہندوستانی عوام کے دلوں میں تازہ ہے۔ امرتسر میں جلیاں والا باغ آج بھی انگریزوں کے ظلم کی داستان بیان کر رہا ہے اور یہ یاد دلا رہا ہے کہ ہمیں جو آزادی حاصل ہوئی ہے وہ کس قدر قربانیوں کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جلیاں والا باغ کے شہیدوں کی دی گئی قربانی ایسی بے مثال ہے کہ ہندوستانی عوام اسے کبھی نہیں بھلا سکتی۔ اسی لیے آزادی کے چودھویں برس سوا نو لاکھ روپئے سے شہیدان جلیاں والا باغ کی یادگار قائم کی گئی جس کے افتتاح کے لیے اس وقت کے صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو خود تشریف لائے۔ 13 اپریل 2019 کو اس واقعے کے سو سال پورے ہونے پر نائب صدر جمہوریہ جناب وینکیا نائیڈو نے امرتسر جلیاں والا باغ میں پہنچ کر شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے ڈاک ٹکٹ اور سو روپے کا سکہ جاری کیا۔

جلیاں والا باغ کا واقعہ اصلاً سیف الدین کچلو کی گرفتاری کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ اس پورے واقعے میں سیف الدین کچلو کو مرکزی حیثیت حاصل ہے لہٰذا جلیاں والا باغ میں سیف الدین کچلو کی یادگار ضرور قائم ہونی چاہیے تاکہ اس باغ کے واقعہ کے تاریخی پس منظر سے بھی امرتسر میں آنے والے لوگ واقف ہو سکیں۔

■

Dr. Raihan Hasan
Dept of Urdu w Farsi
Guru Nanak Dev University
Scf 54, UT Market Grand Trunk Road,
Off, NH 1, Amritsar- 143005 (Punjab)

سردار ریاض الحق

جدوجہدِ آزادی کا شہید
اودھم سنگھ

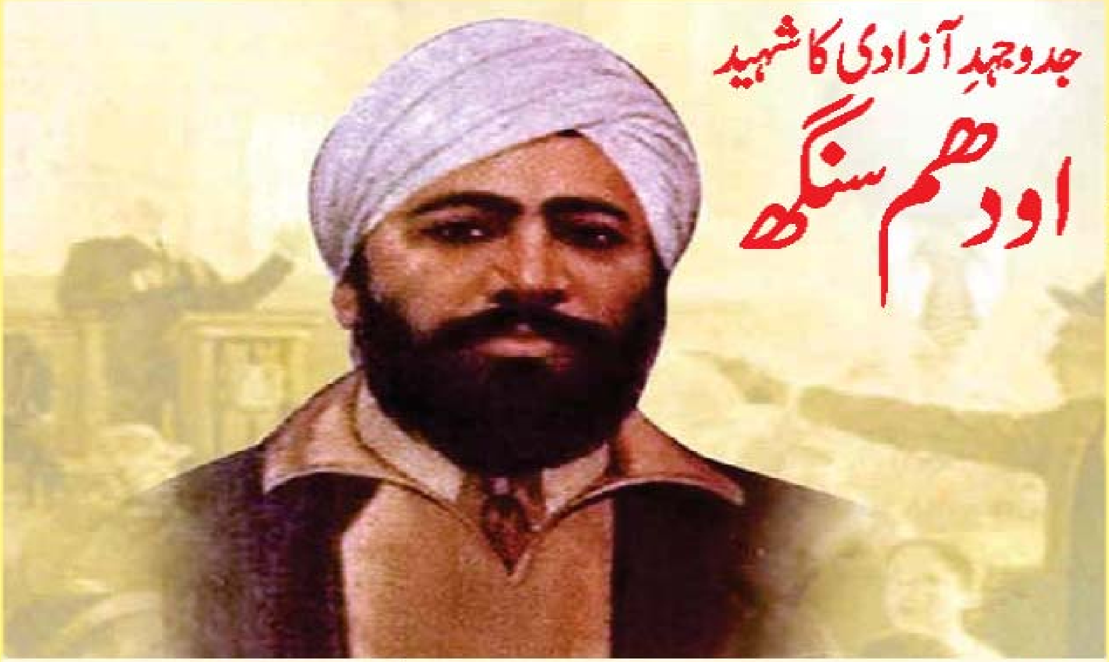

یہ 13/اپریل 1919 کا ہندوستان ہے اور جگہ ہے امرتسر کا جلیاں والا باغ جہاں پر ہندو، مسلمان اور سکھ اس تاریخی باغ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔ مقصد انگریز سرکار کی جانب سے دو مقامی لیڈروں ستیہ پال اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی گرفتاری اور ان کے صوبہ سے نکال دینے کے حکم پر بات چیت کرنا تھا۔ اسی دن سکھ مذہب کا مذہبی تہوار ویساکھی بھی تھا اور گولڈن ٹیمپل قریب ہی ہونے کی وجہ سے سکھوں کی بہت بڑی تعداد بھی باغ میں موجود تھی جو وہاں اپنی مذہبی رسومات ادا کرنے کے بعد آئے ہوئے تھے۔

بڑی تعداد میں عورتیں اور بچے بھی موجود تھے۔ امرتسر پچھلے کچھ دنوں سے دنگے فساد کی زد میں تھا جو ایک کالے قانون رولٹ ایکٹ 1919 جس میں کسی بھی ہندوستانی کو بغیر کسی وجہ کے حراست میں رکھنے اور دو سال تک بغیر کسی ٹرائل کے جیل میں بند کرنے کا پولیس کو اختیار دے دیا گیا تھا، کے خلاف احتجاج کی وجہ سے پھوٹ پڑے تھے اور ان میں انگریز افسر جن کی تعداد دو تین سے زیادہ نہ تھی مارے گئے تھے جب کہ کئی ہندو سکھ اور مسلمان کو گولیوں سے بھون ڈالا گیا تھا۔

انگریز سرکار نے امرتسر میں کرفیو اور مارشل لا کا فرمان بھی جاری کیا جس کا علم اس جلسے میں شریک لوگوں کو نہیں تھا۔ اس وقت انڈین برٹش آرمی کی کمان کرنل ریجنلڈ ایڈورڈ ہیری ڈائر کر رہا تھا جسے عارضی طور پر بریگیڈیئر کے اختیارات بھی سونپ دیئے گئے تھے۔ اس نے ہی امرتسر میں کرفیو اور مارشل لا کا حکم دیا تھا۔ اس نے یہ بھی حکم دیا کہ کسی بھی احتجاج کرنے والے کو گولی ماردی جائے لیکن اس کرفیو اور مارشل لا کے بارے میں عام لوگوں کو نہیں بتایا گیا۔ اس کے پیچھے اصل مقصد یہ تھا کہ کوئی بہانہ تلاش کر کے انگریز افسروں کے قتل کا بدلہ لیا جائے۔

ریجنلڈ ایڈورڈ ہیری ڈائر 9 اکتوبر 1884 کو مری

(موجودہ پاکستان) میں پیدا ہووہ گھوڑا گلی کالج مری کا تعلیم یافتہ تھا۔

جلیاں والا باغ تقریباً آٹھ ایکڑ پر مبنی باغ ہے جس کے تمام راستے داخلی اور خارجی نہایت ہی تنگ ہیں اس کی شکل گول پیالے سی ہے جس کے اردگرد اونچی اونچی دیواریں ہیں۔ بریگیڈیئر ڈائر انگریزوں کے قتل کا بدلہ لینے کے لیے اپنی رجمنٹ کے دستوں کے ساتھ جلیاں والا باغ پہنچا۔ سب سے پہلے اس نے باغ کے داخلی دروازے پر ٹینک کھڑا کر کے اسے بند کردیا اور پھر دوسرے راستوں کو تالے لگوا کر نہتے اور پرامن شہریوں پر فائرنگ کا حکم دے دیا اور دس منٹ تک مسلسل فائرنگ کراتا رہا۔

بریگیڈیئر ڈائر سپاہیوں کو حکم دیتا رہا کہ وہ باغ کے خارجی دروازے جو کہ پانچ تھے' ان کی جانب خاص طور پر گولیاں برسائیں تاکہ بھاگنے والوں کو نشانہ بنایا جاسکے۔ لوگ اپنی جانیں بچا کر بھاگ رہے تھے اور جس طرف جاتے اسی طرف گولیاں برسانے کا حکم دیا جاتا، وہیں ایک کنواں بھی تھا جب اور کوئی جائے پناہ نہ ملی تو لوگوں نے کنویں میں چھلانگیں لگانا شروع کردیں، کنواں بھی لاشوں سے بھر گیا۔ کئی اس میں دم گھٹنے اور ڈوبنے سے مرگئے۔ ڈائر مسلسل فائرنگ کا حکم دیتا رہا یہاں تک فوجی دستوں کے پاس گولیاں ختم ہوگئیں۔

خون ناحق جب اپنی ہی دھرتی پر گرتا ہے تو اسی دھرتی کے خمیر سے ہی کوئی نہ کوئی اس کا بدلہ لینے بھی اٹھ کھڑا ہوتا ہے جلیاں والا باغ میں جب یہ خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی تو ایک بیس سال کا جوان بھی اس مجمع میں شامل تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے مرد عورتیں بچے گولیاں کھا کر گر رہے تھے۔ درد تکلیف سے چیخ چلا رہے تھے۔ کئی جان بچانے کے لیے کنویں میں چھلانگے لگا رہے تھے۔ ہر طرف ایک بھگدڑ مچی ہوئی تھی۔ اس بیس سال کے نوجوان کے بھی دائیں بائیں، اوپر نیچے سے گولیاں نکل رہی تھیں لیکن اس کو ایک بھی گولی نے نہیں چھوا، ایسا کیوں ہوا؟ کیونکہ یہی وہ مٹی کا خمیر اور بیٹا تھا جس کے ہاتھوں قدرت کو اس قتلِ عام کا بدلہ لینا مقصود تھا اور اس شخص کا نام اودھم سنگھ تھا۔

اودھم سنگھ 26 دسمبر 1899 کو سنگرور ضلع میں ایک غریب ریلوے ملازم تلہ سنگھ کے گھر پیدا ہوا۔ پیدائش کے کچھ ہی عرصے کے بعد وہ ماں باپ کے سایہ سے محروم ہوگیا، اسے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ خالصہ آشرم امرتسر میں داخل کروادیا گیا جہاں کچھ عرصہ بعد ہی اس کا بڑا بھائی بھی ایک بیماری کے باعث انتقال کر گیا۔ اودھم سنگھ جلیاں والا باغ کے بے گناہ ہم وطنوں کے قتل عام کا بدلہ لینے کے لیے بے قرار تھا۔ اس نے قسم کھائی کہ مٹی جو کا قرض اس کے سر ہے وہ بریگیڈیئر ڈائر کے خون سے چکائے گا۔ آشرم سے نکلنے کے بعد اس نے بڑھئی کا کام سیکھا اور کئی سال دن رات اس نے محنت کر کے جو پیسے کمائے ان سے وہ امریکہ چلا گیا اور ایک ہوٹل میں کام کرتا رہا جہاں وہ تقریباً پانچ سال رہا۔

وہ چاہتا تو اس واقعہ کو بھول کر مستقل وہاں رہائش اختیار کرسکتا تھا لیکن بدلہ لینے کی دھن اس پر سوار تھی لہذا وہ دوبارہ ہندوستان آگیا اور آزادی کی کئی خفیہ تنظیموں کے ساتھ مل کر کام کرتا رہا لیکن اس کا اصل مقصد پنجاب کے مشہور انقلابی لیڈر بھگت سنگھ کو ملنا اور اس کی تنظیم کے ساتھ کام کرنا تھا، بھگت سنگھ کے ساتھ کام کرتے ہوئے وہ ایک دفعہ گرفتار ہوا اور پانچ سال کے لیے جیل چلا گیا۔ اسی قید کے دوران اسے پتہ چلا کہ

بریگیڈیئر ڈائر فالج کے مرض میں مبتلا ہوکر مرگیا ہے۔

یہ معلوم ہونے پر اسے افسوس تو تھا کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے کیوں نہیں مار سکا لیکن جلیاں والا باغ کے قتلِ عام کا ایک کردار ابھی زندہ تھا اور وہ تھا پنجاب کا اس وقت کا گورنر لیفٹیننٹ جنرل مائیکل ڈائر، اس نے ہی ایڈورڈ ہیری ڈائر کو خاص اختیارات دے کر امرتسر بھیجا تھا' جیل سے رہا ہونے کے بعد وہ کسی نہ کسی طرح لندن پہنچا اور 13 مارچ 1940 کو جب جنرل مائیکل ڈائر لندن کے کنگسٹن ہال میں ایک تقریب میں تقریر کررہا تھا۔ اس نے ریوالور کی چھ کی چھ گولیاں اس کے سینے کے آر پار کردیں اور اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کردیا۔ اس موقع پر اس کے چہرے پر ایک اطمینان اور سکون تھا کیونکہ بالآخر کار بیس سال بعد اس نے اپنے ہم وطنوں کے خون کا بدلہ لے لیا تھا۔ وہ بے گناہ انسان جو کہ ہندو تھے سکھ تھے یا مسلمان۔

مہاتما گاندھی نے جنرل ڈائر کے قتل کی پرزور مذمت کی کیونکہ ان کے خیال میں یہ قدم ان کے فلسفہ عدم تشدد کے خلاف تھا۔ انھوں نے باقاعدہ برطانوی حکومت کو خط لکھ کر اپنے افسوس کا اظہار کیا۔ اودھم سنگھ نے اپنے بیان میں صاف کہا کہ یہ جلیاں والا باغ کے قتل عام کا بدلہ تھا، لہٰذا اسے سزائے موت کا حکم سنایا گیا اور 31/ جولائی 1940 کو اسے لندن کی ایچ۔ ایم پرزن پینٹا ویل میں پھانسی دے دی گئی۔

ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے دوران شہید ہونے والا۔ اُودھم سنگھ کسی ایک مذہب سے تعلق رکھنے والوں کا نہیں بلکہ ان تین مذاہب کے ماننے والوں کا سانجھا شہید ہے جس کی قربانی کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ہندوستان کی تحریکِ آزادی کے دوران شہید ہونے والا۔ اُودھم سنگھ کسی ایک مذہب سے تعلق رکھنے والوں کا نہیں بلکہ ان تین مذاہب کے ماننے والوں کا سانجھا شہید ہے، جس کی قربانی کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ ■

بحوالہ: اے آر وائی نیوز

فرحان سعید خان

رام محمد سنگھ آزاد

شیر سنگھ 26 دسمبر 1899 کو پٹیالہ کی ریاست 'سونم' میں پیدا ہوا، اس کا باپ طہال سنگھ ریلوے کراسنگ پر واچ مین کی نوکری کرتا تھا۔ 7 سال کی عمر سے پہلے اس کے والدین وفات پا گئے اور 24 اکتوبر 1907 کو شیر سنگھ اپنے بھائی مکتا سنگھ کے ساتھ سینٹرل خالصا یتیم گھر امرتسر میں رہنے لگا، جہاں انہیں نئے نام ملے شیر سنگھ کو 'ادھم سنگھ' اور مکتا سنگھ 'سادھو سنگھ'۔ 1917 میں ادھم سنگھ کا بھائی فوت ہو گیا جس کے بعد وہ دنیا میں اکیلا رہ گیا، 1918 میں میٹرک پاس کرنے کے بعد ادھم سنگھ نے یتیم خانہ چھوڑ دیا۔

اپریل کی 10 تاریخ 1919 کو 2 قومی لیڈروں 'ڈاکٹر سیف الدین' اور 'ڈاکٹر ستیاپال' کو پنجاب سے گرفتار کر لیا گیا، 13 اپریل 1919 جلیاں والا باغ میں لوگ احتجاج کے لیے اکٹھے ہوئے جس میں مرد، عورتیں اور بچے شامل تھے، پر امن احتجاج جاری تھا جب جنرل ڈائر کے حکم پر بغیر بتائے گولیاں چلنے سے 1 ہزار سے زائد افراد مارے گئے، اس دن ادھم سنگھ وہاں موجود تھا، اس دردناک اور غمناک واقعے نے ادھم سنگھ کو انقلاب کے راستے پر ڈال دیا، ادھم سنگھ، بھگت سنگھ سے بہت متاثر تھا۔

جلد ہی اس نے ہندوستان چھوڑ دیا اور امریکا چلا گیا، وہاں سے واپسی پر چھپا کر کچھ ریوالور لاتے ہوئے پکڑا گیا اور اسے 4 سال کی قید ہوئی، 1931 میں جب وہ آزاد ہوا تو سونم واپس چلا گیا، جہاں مقامی پولیس کے اسے ہراساں کرنے پر وہ ایک بار پھر امرتسر واپس آ گیا اور ایک سائن بورڈ پینٹر کے طور پر دوکان کھول لی، ایک بار پھر اس نے ملک چھوڑا لیکن اس بار اس کا انڈیا چھوڑنے کا مقصد جلیاں والا باغ کا بدلہ لینا تھا اور انگلینڈ چلا گیا، وہاں وہ اس موقع کی تلاش میں رہا، لمبے انتظار کے بعد 13 مارچ 1940 کو وہ لمحہ آن پہنچا، اس دن 4:30 بجے ایسٹ انڈیا ایسوسی ایشن کی کیکسٹن ہال میں میٹنگ ہو رہی تھی، ادھم سنگھ نے سر مائیکل او ڈائر پر 5 سے 6 فائر کیے اور جنرل ڈائر کی جان لے لی، ادھم سنگھ نے بھاگنے کی کوئی

کوشش نہ کی اور یہ کہتا رہا کہ اس نے اپنے ملک کے لیے اپنا فرض ادا کر دیا۔

چار جون 1940 کو سینٹرل کریمینل کورٹ 'اولڈ بیلی' میں جسٹس ایٹکنسن کے سامنے اس کا ٹرائل ہوا، جس نے اسے موت کی سزا دی، ایک اپیل بھی اس کی طرف سے فائل کی گئی جو کہ 15 جولائی 1940 کو خارج کر دی گئی اور 31 جولائی 1940 کو ادھم سنگھ کو 'پینٹن وائل' جیل لندن میں پھانسی دے دی گئی، جسے اس نے بخوشی قبول کر لیا۔

ٹرائل کے دوران جج اور اودھم سنگھ کے درمیان یہ بات چیت ہوئی۔

انگریز جج نے پوچھا: تیرا نام کیا ہے؟

اودھم سنگھ بولا: رام محمد سنگھ آزاد

انگریز جج: یہ کیسا نام ہے؟، تیرا مذہب کیا ہے؟

بولا: ہندوستان۔

ادھم سنگھ نے کہا میں نے یہ اس لیے کیا کیونکہ مجھے جنرل ڈائر پر غصہ تھا اور وہ اسی کا مستحق تھا، وہ اصل مجرم تھا، وہ میرے لوگوں کا حوصلہ ختم کرنا چاہتا تھا، سو میں نے اسے ختم کر دیا، 21 سال سے میں بدلہ لینے کی کوشش میں تھا اور میں خوش ہوں کہ میں نے اپنا کام پورا کر دیا۔ میں موت سے ڈرتا نہیں ہوں، میں اپنے وطن کے لیے مر رہا ہوں، برٹش حکومت کے اندر میں نے اپنے لوگوں کو بھوک سے مرتے دیکھا ہے، میں اس کے خلاف احتجاج کرتا ہوں اور یہ میرا فرض ہے، اس سے زیادہ کرم مجھ پر کیا ہوسکتا ہے کہ اپنے وطن اور اپنے لوگوں کی خاطر جان دے دوں۔ ■

بحوالہ: سماع ٹی وی

جوابات

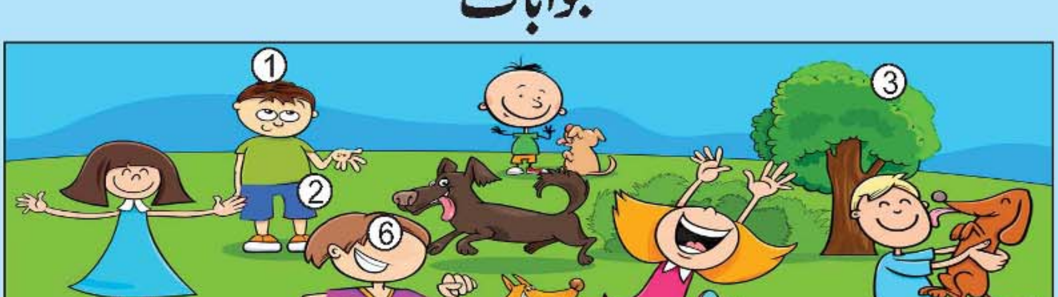

صفدر حسین

بھگت کبیر

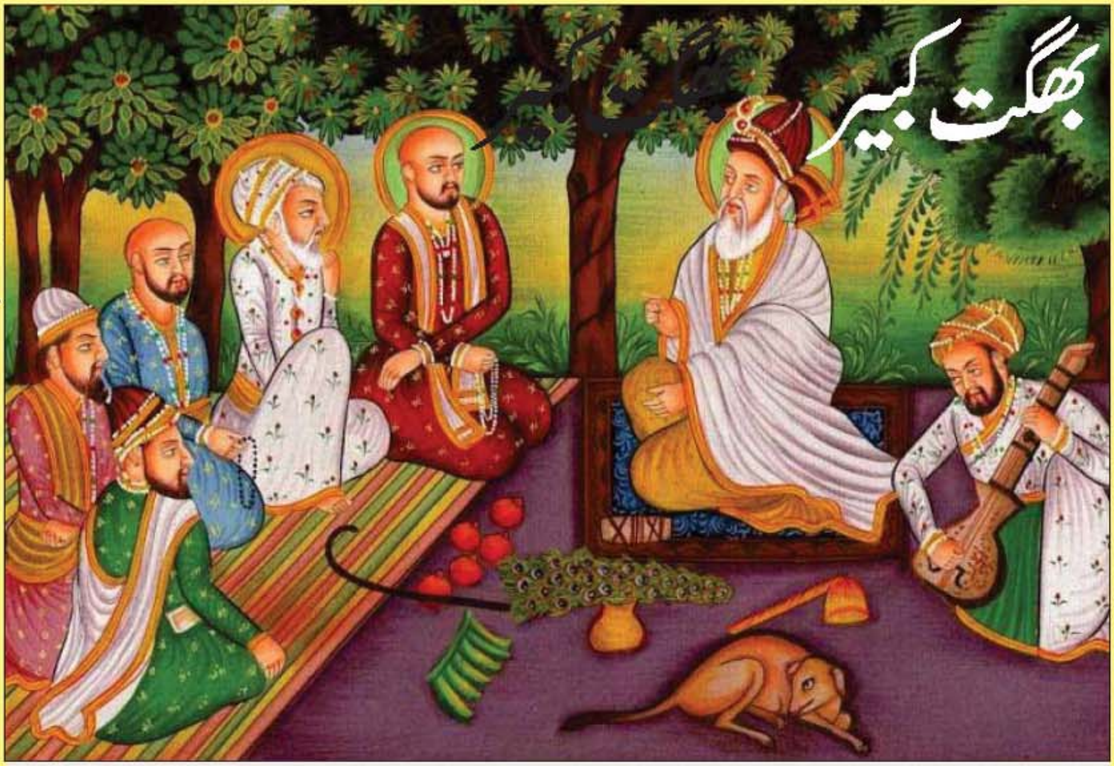

پندرھویں صدی عیسوی میں جب کہ سارے ہندوستان میں ذات پات کے جھگڑے پھیلے ہوئے تھے، کبیر داس نے سچی باتیں بتائیں کہ خدا ایک ہے اور تمام انسان برابر ہیں۔ انھوں نے اس بات کا پرچار کیا کہ آدمی کی نجات صرف اس کے نیک کاموں سے ہوسکتی ہے نہ کہ اس کے خاندان یا ذات سے۔ نیچی ذات والے بھی بھگوان سے محبت اور بھگتی کے ذریعے بڑے سے بڑا مرتبہ حاصل کرسکتے ہیں۔

ایسی نیک باتیں بتانے والے بھگت کبیر داس کے بچپن کی کہانی بڑی عجیب ہے۔

کہا جاتا ہے کہ بنارس شہر میں ایک بڑے مہاتما رامانند جی رہا کرتے تھے۔ ان کے پاس ایک برہمن آیا کرتا تھا۔ اس برہمن کی ایک خوبصورت سی لڑکی تھی۔ بے چاری کی جوانی ہی میں اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا۔

ایک دفعہ وہ برہمن، سوامی رامانند جی سے ملنے آیا تو اپنی بیٹی کو بھی ساتھ لیتا آیا۔ بیٹی نے سوامی جی کو دونوں ہاتھ جوڑ کر بڑے ادب سے پرنام کیا۔ سوامی جی نے اسے دعا دی ''بھگوان تجھے چاند سا بیٹا دے۔'' یہ سن کر برہمن بہت گھبرایا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ سوامی جی بھگوان کے بھگت ہیں اور ان کا کہا پورا ہو کر رہے گا۔ برہمن نے کہا ''سوامی جی، میری لڑکی تو بیوہ ہے، بیٹا کہاں سے ہوگا؟'' سوامی جی نے کہا ''بھگوان کے لیے بیٹا دینا کیا مشکل ہے، اس کی قدرت کون جانتا ہے؟''

آخر سوامی جی کی دعا پوری ہوئی اور ایک سال بعد 1398 میں اس برہمن کی بیٹی کو ایک لڑکا پیدا ہوا۔ وہ بے چاری

بہت گھبرائی اور بدنامی کے ڈر سے اس نے ننھے سے بچے کو رات کے وقت 'لہرا' تالاب کے کنارے ڈال دیا۔

سویرے اُدھر سے ایک مسلمان جولاہا، نیرو اور اس کی بیوی نیمہ بنارس سے باہر کسی گاؤں کو جا رہے تھے۔ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی۔ راستہ میں تالاب کے کنارے انھیں کپڑے میں لپٹی ہوئی کوئی چیز دکھائی دی۔ پاس جا کر کھول کر دیکھا تو ایک ننھا سا بچہ انگوٹھا چوس رہا تھا۔ جولاہے نے جب اس بچے کو دیکھا تو اس کو بڑا ترس آیا اور اپنی بیوی سے بولا 'دیکھ، خدا نے اپنی قدرت سے ہمیں جیتا جاگتا بیٹا دیا ہے، کیوں نہ اسے گھر لے چلیں؟'' اس کی بیوی نے بچہ کو فوراً گود میں اٹھالیا اور اسے گھر لے گئے۔

جولاہے کی بیوی نے گھر پہنچتے ہی اپنے محلّہ کے قاضی جی کو بلوایا۔ قاضی جی آئے تو نیمہ نے بچے کا نام فال کے ذریعہ نکالنے کو کہا۔ قاضی جی نے فال کی کتاب کھولی اور بچہ کا نام دیکھا تو 'کبیر' نکلا۔

میاں بیوی نے اس بچے کو بڑی محبت سے پالا پوسا۔ اس بچے کے اندر شروع ہی سے سچے مہاتما کی سب باتیں موجود تھیں۔

کسے معلوم تھا کہ ایک جولاہے کے گھر میں پرورش پانے والا بچہ بڑا ہو کر ایسا مشہور مہاتما ہوگا اور ساری دنیا کو سچائی اور نیکی کا راستہ بتائے گا۔

کبیر جب بڑے ہوئے تو دنیا میں پھیلی ہوئی برائیوں کو دیکھ کر انھیں بڑا دکھ ہوا اور ان کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ ان بڑھتی ہوئی برائیوں کو کسی نہ کسی طرح روکا جائے۔ جیسے جیسے وہ بڑے ہوتے گئے ان کی یہ خواہش بڑھتی ہی گئی، اور انھوں نے دنیا کے دھندے چھوڑ کر خدا سے لو لگانی چاہی اور کسی ایسے آدمی کا ہاتھ پکڑنا چاہا جو ان کو خدا سے ملا دے۔

دیس دیس، جنگل جنگل پھرے، مگر دل کی بے چینی نہ گئی۔

اب کبیر ایک گرو کی کھوج میں لگ گئے۔ ان ہی دنوں کاشی میں بھگت سوامی راما نند جی رہتے تھے۔ ان کی بڑی شہرت تھی، کبیر نے سوچا، چلو اس ہندو سوامی کے پاس ہی چلیں۔ کیونکہ ہندوؤں کا بھگوان اور مسلمان کا اللہ دونوں ایک ہی ہیں، فقط لفظ بدلے ہوئے ہیں۔ ہندو پرماتما اور مسلمان اللہ کہہ کر پکارتا ہے، جس اللہ کو مسلمان ڈھونڈتے ہیں اسی کو ہندو تلاش کرتے ہیں۔ پھر جی میں کہنے لگے، ایسا نہ ہو کہ سوامی جی مجھے مسلمان سمجھ کر اپنا چیلہ نہ بنائیں۔ مگر سوامی جی کی سچائی سے کبیر کا دل ان کی طرف کھنچنے لگا تھا۔ وہ سوامی جی سے ملے، لیکن سوامی جی انھیں اپنا چیلہ بنانے کے لیے تیار نہ ہوئے۔

کبیر نے سوامی جی کو راضی کرنے کی ایک ترکیب نکالی۔ سوامی راما نند جی ہر روز صبح چار بجے اشنان کے لیے گنگا جایا کرتے تھے۔ ایک روز کبیر ان کے آنے سے پہلے ہی سوامی جی کے راستے میں کاشی گھاٹ کی سیڑھیوں پر لیٹ گئے۔ جب سوامی جی گنگا اشنان کو آئے تو ابھی اندھیرا تھا۔ وہ کبیر کو نہ دیکھ سکے اور سیڑھی پر جو پیر رکھا تو کبیر پر پڑا۔ سوامی جی کو بہت دکھ ہوا۔ منھ سے ''رام، رام'' کہتے ہوئے انھوں نے کبیر کو اٹھایا تو کبیر نے کہا ''آپ کے پیرو نے آپ کے پیر چھو لیے۔'' سوامی جی نے پوچھا: ''تم پیرو کب سے بنے؟'' کبیر نے کہا: ''ابھی آپ نے ''رام، رام'' کا منتر دیا ہے۔''

سوامی جی نے کبیر کا سچا پیار دیکھا تو اپنا چیلہ بنالیا۔اب کبیر، رام بھگت کا پرچار کرنے لگے۔ کچھ دن بعد وہ دیس دیس پھرتے پھراتے جب شیخ تقی سے ملے تو ان کے بھی مرید ہوگئے۔اس طرح انھوں نے مسلمان مرشد اور ہندو گرو سے تعلیم حاصل کی۔

کبیر داس کی شادی کا بھی عجیب قصہ ہے۔ان کی طرح ان کی بیوی کی پرورش بھی دوسروں نے کی۔کبیر کی بیوی کے ماں باپ بہت غریب تھے اور اکثر فاقے سے رہا کرتے۔ جب ان کے لڑکی پیدا ہوئی تو اپنی غریبی کی وجہ سے اس کو ایک گرم کپڑے میں لپیٹ دیا اور ایک لکڑی کے صندوق میں رکھ کر دریا میں بہادیا۔ یہ صندوق ایک سادھو کے ہاتھ لگا۔ اُس نے کھول کر دیکھا تو اس میں ایک ننھی سی لڑکی تھی۔سادھو نے اس کا نام لوئی رکھا اور اسے بڑی محنت سے پالا۔لیکن لوئی کے بچپن ہی میں وہ سادھو انتقال کر گئے۔

لوئی اکثر سادھوؤں اور درویشوں کی خدمت کرتی تھی۔ ایک مرتبہ کبیر بھی اس کے گاؤں سے گزر رہے تھے۔ اتفاق سے لوئی کے گھر بھی گئے۔اس نے سب کے ساتھ انھیں بھی دودھ اور مٹھائی پیش کی۔لیکن کبیر نے کچھ نہیں کھایا۔لوئی نے پوچھا: ”تم کھاتے کیوں نہیں؟“ کبیر نے کہا: ”تھوڑی دیر میں ایک بزرگ تھکے ہارے، بھوکے پیاسے آنے والے ہیں۔ میں نے یہ دودھ اور مٹھائی ان ہی کے لیے رکھ چھوڑی ہے۔“ لوئی کو یقین نہ آیا لیکن کچھ دیر بعد کیا دیکھتی ہیں کہ ایک

بزرگ تھکے ہارے وہاں آئے، کبیر نے ان کو وہ دودھ اور مٹھائی پیش کردی۔

لوئی کو مہاتما کبیر کی یہ سچائی اور ایثار دیکھ کر حیرت ہوئی اور اُسی دن انھوں نے کبیر کی زندگی بھر کا ساتھی بننے کا فیصلہ کرلیا اور ان سے شادی کرلی۔ وہ زندگی بھر ان کی سیوا کرتی رہیں۔ ان کے دو بچے بھی ہوئے۔ لڑکے کا نام کمال تھا اور لڑکی کا نام کمالی۔

اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی کبیر نیک زندگی گزارتے تھے۔ خدا کی یاد کے ساتھ ساتھ وہ وقت نکال کر کپڑا بنتے اور بازار جاکر خود اس کو فروخت کرتے۔ جو کچھ ملتا اس سے اپنی بیوی اور بچوں کا پیٹ پالتے اور سادھوؤں اور فقیروں کی خدمت بھی کرتے تھے۔ انھوں نے آخری وقت تک جولاہے کا پیشہ نہیں چھوڑا۔ کبیر داس کہتے تھے کہ کوئی بھی مذہب دوسروں سے بیر رکھنا نہیں سکھاتا۔ اس لیے وہ ہندو اور مسلمان دونوں سے یکساں محبت کرتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ سب لوگ آپس میں گھل مل کر رہیں۔ لیکن اس وقت کے پنڈتوں اور مولویوں کو کبیر کی یہ بات پسند نہ آتی تھی۔ جیسے جیسے کبیر مشہور ہوتے گئے، ویسے ویسے وہ لوگ ان سے جلنے لگے۔ آخرکار انھوں نے اس وقت کے بادشاہ سکندر لودھی کو کبیر کے خلاف بھڑکایا اور ان پر رعایا کو بہکانے کا الزام لگایا گیا۔ بادشاہ نے کبیر کو بلایا اور شاہی آداب کے ساتھ سلام کرنے کے لیے کہا۔ کبیر نے جواب میں کہا: ''میں سوائے خدا کے کسی اور کے سامنے اپنا سر نہیں جھکاتا۔'' اس جواب سے بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے قاضی سے کہا کہ انھیں زنجیروں سے باندھ کر دریا میں پھینک دیا جائے۔ ہزاروں لوگ یہ دردناک منظر دیکھنے کے لیے دریا کے کنارے جمع تھے۔

کبیر جانتے تھے کہ وہ بے قصور اور بے گناہ ہیں۔ انھیں خدا پر پورا بھروسہ تھا کہ وہ انھیں بچا لے گا۔ جب انھیں زنجیروں سے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں پھینکا گیا تو سب نے یہ سمجھ لیا کہ وہ ڈوب کر مرجائیں گے لیکن لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب کچھ دیر بعد انھوں نے دیکھا کہ جن زنجیروں میں کبیر کو باندھا گیا تھا، وہ غائب ہیں اور تیرتے ہوئے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔

بادشاہ، کبیر کے اس طرح بچ جانے سے اور بھی غصہ ہوا اور انھیں آگ میں پھنکوانے کا فیصلہ کیا۔ انھیں دہکتی ہوئی آگ میں پھینکا گیا لیکن کچھ دیر بعد وہ آگ خود بخود ٹھنڈی ہوگئی اور وہ ہنستے ہوئے باہر آگئے۔ ان کے جسم کا ایک بال تک بھی نہ جلا تھا۔

اب کے تو بادشاہ نے انھیں ایک مست ہاتھی کے سامنے ڈال دینے کا حکم دیا۔ مست ہاتھی انھیں کچلنے کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن وہ بھی ان کی صورت دیکھ کر خاموش کھڑا ہوگیا اور جب انھوں نے اس کی سونڈ پر ہاتھ پھیرا تو وہ رام ہوکر بیٹھ گیا پھر کچھ دیر بعد جنگل کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

آخر بادشاہ نے تنگ آکر انھیں کاشی سے باہر چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ کاشی سے مگہر چلے گئے۔ یہ مقام آمی ندی کے کنارے ضلع گورکھپور میں واقع ہے۔ کبیر آخری وقت تک وہیں رہے۔

■

بحوالہ: ہندوستان کی بزرگ ہستیاں، **مصنف:** صفدر حسین، ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، بچوں کا ادبی ٹرسٹ

محمد تنویر رضا برکاتی

تعطیل اور ہماری ذمے داریاں

اسکولوں کے امتحانات تقریباً ختم ہوچکے ہیں، اس لیے اسکول میں چھٹیاں بھی لگ گئی ہیں۔ کچھ اسکولوں میں امتحانات کے نتائج بھی سامنے آگئے ہیں اور کچھ کے عنقریب آنے والے ہیں۔ جو بچے اچھے نمبرات سے پاس ہوئے وہ خوشی خوشی اپنے وقت کو گزار رہے ہوں گے اور جو کسی طرح سے ناکام ہوئے ہوں گے وہ مایوس ہوں گے۔ لیکن انھیں مایوس اور دل برداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تھوڑی اور محنت کریں۔ ان شاء اللہ وہ بھی اچھے نمبرات سے کامیاب ہوجائیں گے۔ سرپرستان کو بھی چاہیے کے وہ اپنے بچوں کی نگرانی کریں اور گھر پر ہی بچوں کو پڑھنے کے لیے بیٹھائیں۔ جن سبجیکٹ میں بچے کمزور ہیں اُن پر خصوصی محنت کروائی جائے۔ اس متعلق انہیں ڈانٹ ڈپٹ مار پیٹ نہ کریں، انھیں محبت سے پیار سے سمجھائیں کہ محنت اور لگن سے پڑھنے والے بچے کبھی ڈاکٹر ذاکر حسین، کبھی فخر الدین علی احمد اور کبھی اے پی جے عبدالکلام بنتے ہیں اور دنیا میں اپنی مثال قائم کرتے ہیں۔

ہمیں اپنے بچوں کی شخصیت کو سنوارنے کے لیے کیا کیا اقدامات کرنے چاہئیں اور کن فضولیات سے انھیں بچانا چاہیے اس پر ہمیں غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے۔ ان چھٹیوں میں بچے اکثر وبیشتر وقت کو ٹی وی سیریل، ویڈیو گیم، سیر وتفریح، کھیل کود اور دیگر بے مقصد کاموں میں صرف کرتے ہیں۔ بچوں کو گرمیوں کی چھٹیوں میں انجوائے بھی کرنا چاہیے، لیکن اپنی صحت اور شخصیت کا بھی بھرپور خیال رکھنا چاہیے۔ ان چھٹیوں میں چھوٹے بچے دن بھر گھر میں دھما چوکڑی کرتے ہیں یا پھر پورے دن ٹی وی کے سامنے اپنا پورا وقت ضائع کردیتے ہیں، ان کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ اِن وقتوں میں سے ہم کچھ وقت دیگر ایکٹیوٹیز پر دیں تو بہت کچھ حاصل ہوسکتا ہے۔

گرمیوں کی چھٹیوں میں کچھ بچے اپنے سرپرستان کے

ساتھ سیر وتفریح کے لیے بھی جاتے ہیں، انسانی زندگی میں سیر وتفریح کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ مسلسل کام اور پڑھائی بھی بچوں کو چڑچڑا بنا دیتی ہے، اس لیے انہیں کچھ وقت کے لیے تفریح پر لے جانا بھی ضروری ہوتا ہے جس سے ان کی صحت اور مزاج میں تندرستی آجاتی ہے۔

کچھ سالوں سے مدارس اور مساجد میں مختلف تنظیمیں سمر کلاس کا انعقاد کرتی ہیں جس میں بچوں کو دینی معلومات دی جاتی ہے۔ اسی طرح لڑکیوں کے لیے ہوم سائنس، مہندی کورس، سلائی کورس، امبرائنڈری کورس وغیرہ کی بھی کلاسیز لگتی ہیں جس سے لڑکیاں اپنی زندگی میں روزگار سے جڑنے اور گھریلو اخراجات میں کفیل ہوجاتی ہیں۔ جو بچے شرارتی ہوتے ہیں وہ تربیتی کاموں میں دلچسپی نہیں لیتے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ سرپرست اور والدین ان کی دلچسپی اور مزاجی کیفیت کو غائر نظر سے محسوس کرکے اس کے مطابق ان کے دل پسند کاموں کی ترغیب دیں۔

والدین اور سرپرستان کا یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ بچے کی دلچسپی کس چیز میں کس فیلڈ میں ہے۔ بچوں سے یہ بات مشفقانہ انداز میں بار بار پوچھی جانی چاہیے کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں؟ بچوں کو یہ بات بالکل محسوس نہیں ہونی چاہیے کہ ان پر کوئی دباؤ بنایا جارہا ہے یا ان پر بے جا تھوپا جارہا ہے۔ اس سے بچے کام سے جی چراتے ہیں اور بچے وہ کام نہیں کرپاتے جو ان کو کرنا چاہیے۔ ان باتوں سے نہ والدین کی خواہش پوری ہوتی ہے اور نہ بچوں کی۔ اس لیے بچوں کی خواہشات کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

بچوں کی ذہنی اور دماغی نشوونما ہونا بھی بہت ضروری ہے۔ اس پر بھی والدین کو خاصا دھیان دینا ضروری ہے۔ گرمیوں میں بچوں کی صحت زیادہ متاثر ہوتی ہے اس لیے اگرچہ خوراک کے معاملات کو توازن میں رکھا جائے اور موسم کی مناسبت سے غذا استعمال کرائی جائے تو بچوں کی جسمانی اور ذہنی نشوونما میں بہت بہتر نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ اسکول کی چھٹیوں میں بچوں کی روٹین تبدیل ہوجاتی ہے، وہ صبح کو دیر تک سوئے رہتے ہیں جو وقت کی بڑی بربادی ہے۔ اس طرح سے بچے چھٹیوں میں کچھ بھی حاصل نہیں کرپاتے ہیں اور جب چھٹیوں کے دن گذر جانے کے بعد وہ اسکول جاتے ہیں تو پچھلا یاد کیا ہوا بہت کچھ بھول جاتے ہیں، اس لیے ان کا روٹین بنانا اور تعلیم سے جوڑے رکھنا اُن کے مستقبل کے لیے بہتر ہے۔ بچوں کو تعلیم سے جوڑے رکھنے کا ایک عمدہ طریقہ یہ ہے کہ گرمیوں کی تعطیل میں والدین بچوں کو پُر فضا پہاڑی مقامات، تاریخی مقامات، زوسینٹر اور تکنیکی و سائنسی تجربہ گاہوں پر لے جا کر ان کی معلومات میں اضافہ کرائیں، اس طرح غیر درسی مطالعہ سے یقیناً بچوں کی تعلیمی استطاعت میں نہ صرف اضافہ ہوگا بلکہ از خود وہ تعلیم سے ہم رشتہ ہوجائیں گے۔

بچوں کی شخصیت کو نکھارنے سنوارنے میں غیر نصابی ادارہ جاتی سرگرمیاں جیسے سماجی، ملی کیمپ، مذاکرے، میلے اور نمائش جیسی چیزیں مفید ومعاون بن جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ غیر نصابی معلومات بھی بچوں کے لیے مفید ہے۔

■

Mohd Tanveer Raza Barkati
Barkate-Habeeb Manzil
House No: 58, Ward No: 31, Hareerpura
Burhanpur - 450331 (MP)

ایم اے شوکت

رمضان المبارک

رحمت خدا کی ہوتی ہے ہر آن مومنو
افضل ہے سب مہینوں میں رمضان مومنو

رمضاں کی برکتوں کا ہر ایک سمت نور ہے
شیطاں بھی مومنو سے بہت دور دور ہے
روزہ رکھو خدا کا ہے فرمان مومنو
افضل ہے سب مہینوں میں رمضان مومنو

تقسیم تین عشروں میں اس طرح کر دیا
بخشش کا گویا ساماں خدا نے عطا کیا
اللہ کے کرم کا ہے فیضان مومنو
افضل ہے سب مہینوں میں رمضان مومنو

ہوگا تراویحوں کا بھی مسجد میں اہتمام
مسجد میں گھر میں ہوگی تلاوت بھی صبح شام
ہوگا ذلیل خوار یہ شیطان مومنو
افضل ہے سب مہینوں میں رمضان مومنو

معذور بیکسوں کو گلے سے لگائیں ہم
صدقہ زکوٰۃ کا بھی کریں اہتمام ہم
فرماتا ہے قرآن میں رحمٰن مومنو
افضل ہے سب مہینوں میں رمضان مومنو

قرآن کی تلاوتوں کا اہتمام ہو
سرکارِ دوجہاں پہ درود و سلام ہو
نازل ہوا حضور پہ قرآن مومنو
افضل ہے سب مہینوں میں رمضان مومنو

دامن کو نیکیوں سے ہے بھرنے کا یہ سماں
رمضان رحمتوں کا مہینہ ہے بے گماں
رمضاں میں خدا کا ہے فیضان مومنو
افضل ہے سب مہینوں میں رمضان مومنو

مسجد میں جب نماز ادا کرنے جاؤ تم
مسجد میں شور بچو! نہ ہرگز مچاؤ تم
سرکارِ دوجہاں کا ہے فرمان مومنو
افضل ہے سب مہینوں میں رمضان مومنو

مسجد خدا کا گھر ہے کرو اس کا احترام
ہر وقت باوضو رہو لو اور اس کا نام
ہوگا خدا بھی ہم پہ مہربان مومنو
افضل ہے سب مہینوں میں رمضان مومنو

رحمت خدا کی ہوتی ہے ہر آن مومنو
افضل ہے سب مہینوں میں رمضان مومنو

■

M.A. Shaukat
Taj Nagar, No: 1
Amravati (Maharashtra)

عطاء الرحمن طارق

عید مبارک، عید مبارک

آئی گھڑی خوشیوں والی
عید مبارک، عید مبارک!

چھائی خوشی، لائی خوشی لالی،
ہم نے چرالی
عید مبارک!

گائے خوشی بستی بستی
کہیں پہ ٹھنڈے
کہیں قوالی،
عید مبارک!

جھومے خوشی، باغوں باغوں
کلیوں کلیوں، ڈالی ڈالی،
عید مبارک!

اُڑی اُڑی، نئی نئی خوشبو
گھنی گھنی خوشبو، بڑی متوالی
عطر کی شیشی خالی—
عید مبارک!

آئی گھڑی خوشیوں والی
عید مبارک، عید مبارک!

■

Ataur Rahman Tariq
701/3A, Vijaya Co-op. Hsg. Society
Vaishali Nagar
K.K. Road, Mahalaxmi
Mumbai - 400011 (Maharashtra)

عبدالرزاق دل کولہاپوری

عیدگاہ

ملاپ و محبت کی جا عیدگاہ
اصول و عبادت کی جا عیدگاہ
چلو بچیو اور بچو! چلو
ہے تم سب کی چاہت کی جا عیدگاہ
نہ جھجکو، نہ سہمو اے ننھے میاں
ہے میلے سی وسعت کی جا عیدگاہ
غبارے خریدو مٹھائی بھی لو
نہیں ہے بخالت کی جا عیدگاہ
ملیں غیرمسلم بھی آکر یہاں
ملن کی وراثت کی جا عیدگاہ
ہے ہر شہر، گاؤں اور دیہات کو
میسر اخوت کی جا عیدگاہ
دعائیں دو بچوں کو عیدی بھی دو
ہے اجر و سخاوت کی جا عیدگاہ
ملو سب سے دل کھولاپوری میاں
نہیں ہے عداوت کی جا عیدگاہ

■

Abdur Razzaque Dil Kolhapuri
At+Post: Kolhapuri - 444802
Distt: Amravati (Maharashtra)

عاطف عدنان شیخ صادق

عید

آج عید کا دن ہے، خوشیوں کا دن، ہر آدمی خوبصورت رنگا رنگ کپڑوں میں دکھائی دیتا ہے، بڑے چھوٹے، جوان بوڑھے، معصوم بچے، مرد اور عورتیں ہر ایک دوسرے کو مسکراہٹوں کا تحفہ پیش کرتے ہوئے، سیوئیاں اور شیر، خورمہ کی تو گویا برسات آگئی، بڑے ایک دوسرے سے گلے مل رہے ہیں اور ننھے منے بچے گلی کوچوں میں گھوم رہے ہیں اور رنگین و خوبصورت تتلیوں کی طرح اڑتے پھر رہے ہیں، لیکن عید کا حاصل کیا صرف یہی ہے؟ کیا عید صرف ایک خوشی کا موقع ہے جو آئے اور گزر جائے؟ شاید ایسا نہیں! اسلام کا مزاج ہے کہ وہ ہر عمل سے پیغام دیتا ہے، عبرت اور نصیحت سے انسان کو متوجہ کرتا ہے۔

عید بھی سراپا پیغام ہے، دعوت ہے، عید سب سے پہلے ہمیں اس جانب متوجہ کرتی ہے کہ مسلمانوں کو خوشی کا وقت کس طرح گزارنا چاہیے۔ غور کیجیے کہ مسلمان کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کا کوئی دن نہیں، یہ ناچ گانا اور نہ مستی و شراب، نہ پٹاخہ کی ادھم نہ نعروں کا شور، نہ آتش بازیوں کا سیلاب، بلکہ ہر مسلمان صبح صبح تازہ دم اٹھتا ہے نماز فجر ادا کرتا ہے، پھر نہاتا ہے، صاف ستھرے اور میسر ہوں تو نئے کپڑے بدلتا ہے اور عید گاہ میں نماز عید کے لیے روانہ ہوتا ہے، آنکھیں جھکی ہوئی اور زبان پر اللہ کی بڑائی اور حمد و ثنا کے الفاظ، عید گاہ پہنچ کر دوگانہ شکر ادا کرتا ہے اور پیشانی خدا کے سامنے زمین پر ٹیک کر

اپنی بندگی کا اظہار کرتا ہے، خوشی کے موقعے پر آدمی میں کسی قدر پر تکبر کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، اس لیے بار بار اپنی بڑائی سے انکار اور خدا کی بڑائی کا اقرار و اعتراف کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ اصل صاحب ایمان وہ ہے جو خوشی کے وقت اترانے نہ لگے، اس کی گردن گھمنڈ سے اونچی نہ ہو، اس کی زبان پر اپنی بڑائی کا لفظ نہ ہو، بلکہ وہ خدا کے سامنے جھکتا ہوا ہو، اس کے اندر بندگی کا احساس ہو اور اس وقت بھی اس کا دل خدا کی طرف متوجہ ہو اور اس کی زبان اللہ کے ذکر و اور حمد و ثنا سے تر ہو۔ عید مسلمانوں کے لیے اجتماعیت اور وحدت کا بھی پیغام ہے، مالدار ہو یا غریب، آقا ہو یا غلام، فرمانروا ہو یا رعایا، سماج کا مشہور اور مصروف شخص ہو یا کوئی معمولی اور غیر معروف آدمی، گورا ہو یا کالا اور عربی ہو یا عجمی ایک ساتھ ایک صف میں خدا کے سامنے کھڑے ہیں اور اس کے کرم کے سوالی ہیں۔ یہاں کوئی فرق نہیں، خدا کے دربار میں سب برابر ہیں۔

'عید' ہمیں اس بات کو یاد دلاتی ہے کہ وہ خوشی، خوشی نہیں جس میں پورے سماج کو شامل نہ کیا جائے، آپ کے گھر میں خوشی کا چراغ جلے، بلکہ چراغاں ہو اور آپ کا پڑوسی غم کے اندھیرے میں ڈوبا ہوا ہو، اس سے زیادہ بیکار کوئی خوشی نہیں ہوسکتی، اسی حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کے لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عید الفطر کے ساتھ ساتھ 'صدقہ فطر' کا بھی حکم دیا ہے کہ ہر صاحب گنجائش مسلمان اپنی اور اپنے لوگوں کی طرف سے گیہوں کی ایک خاص مقدار یا اس کی قیمت اپنے غریب بھائی کو پہنچائے اور عید سے پہلے پہلے پہنچا دینے کی کوشش کرے تا کہ سماج کے غریب اور پریشان حال لوگ بھی عید کی خوشی میں شامل ہوسکیں، 'صدقۂ فطر' ایک علامتی عمل ہے، یہ صرف عید ہی کے دن کے لیے خاص نہیں، یہ اس بات کا اقرار ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ہر خوشی میں سماج کے غریب بھائیوں کو بھی شامل کرنا چاہیے، وہ خوشی ادھوری اور ناکام ہے جو اپنے گھر تک محدود ہے اور جس میں اپنے ان پڑوسیوں کا شامل نہ کیا گیا ہو جن کو خدا نے آپ کا محتاج بنایا ہے۔

اس لیے اسلام میں بچہ کی پیدائش کے ساتھ 'عقیقہ' اور شادی کے موقعے پر 'ولیمہ' رکھا گیا ہے اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدترین ولیمہ وہ ہے جس میں سماج کے غریب لوگوں کو شریک نہ رکھا جائے۔ مسلمان وہ ہے کہ جس کو دوسروں کی فکر تڑپاتی ہو، جس کو دوسرں کی پریشانی بے قرار کر دیتی ہو جس کے لیے دوسروں کا غم اپنا غم بن جاتا ہو، جو دوسرے بھائیوں کے درد کی کسک اپنے دل میں پاتا ہو، جو دوسروں یا اپنی لڑکیوں کے ساتھ دوسرے غریب بھائیوں کی لڑکیوں کی شادی کے لیے سوچتا ہو۔ اسے اپنے بچوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ قوم کے دوسرے بچوں کی تعلیم کی فکر بھی بے چین رکھتی ہو، جوان بیواؤں، یتیموں اور بیماروں کے لیے بھی اپنے دل کو بے سکون پاتا ہو، جن کی زندگی فاقوں سے گزرتی ہے جو کبھی اپنی ضرورت کسی کے سامنے بیان کرنے سے شرماتے ہیں۔ کاش! ہم اسے دل کے کانوں سے سن سکیں!

■

Atif Adnan Shaikh Sadiq
Shahu Nagar, Near Shaheen Library
Jalgaon - 425001 (MS)

رونق جمال

عید کے دن کا بادشاہ

رمضان شریف کی انتیس ویں شب تھی۔ لوگ چاند کے منتظر تھے۔ میں اپنے دوستوں، وزیروں اور درباریوں کے ساتھ محل میں بیٹھا افطار کے وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ میرے سامنے سونے چاندی کے تھالوں میں عمدہ غذائیں قیمتی میوے اور صحت بخش پھل رکھے تھے۔ قیمتی صراحیوں میں ٹھنڈا پانی اور شربت رکھا تھا۔ کنیزیں ہاتھ باندھے کھڑی تھیں اور میرے ایک اشارے کی منتظر تھیں اچانک شور بلند ہوا..... ”چاند دکھائی دیا..... چاند دکھائی دیا..... چاند دکھ گیا ہے۔“ میں اور میرے مصاحب تیزی سے اٹھ کر محل کے جھروکے میں آ گئے اور چاند کو دیکھ کر دعا پڑھنے لگے۔ چند ہی لمحوں میں شہر کی رعایا مجھے عید کے چاند کی مبارک باد دینے کے لیے قلعے کے سامنے والے میدان میں جمع ہونا شروع ہو گئی تھی۔ غریب غربا خیرات و زکواۃ لینے کے لیے قطاریں بنا کر کھڑے ہونے لگے ہیں۔ میں نے وزیر خزانہ کو حکم دیا اور خیرات و زکواۃ کے لیے خزانے کا در کھول دیا گیا۔ فقرا میں کپڑا اناج اور پیسے تقسیم ہونے لگے۔ محل میں چاروں طرف چراغاں کیا گیا۔ کنیزوں اور خادماؤں کو لباس و تحفے تقسیم کیے گئے۔ ساری رات محل میں عید کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ کنیزیں اور خادمائیں دوڑ دوڑ کر ہر ایک کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینے میں مصروف ہو گئیں۔

فجر کی نماز کے وقت ملکہ نے آ کر مجھے جگایا۔ نماز سے فارغ ہو کر میں عید کے غسل کے لیے حمام چلا گیا۔ غسل خانے میں صندل اور چنبیلی کی خوشبو سے سمویا ہوا پانی موجود تھا۔ غسل

سے فارغ ہو کر کمرے میں آیا تو قیمتی لباس جس پر ہیرے و جواہرات ٹانکے ہوئے تھے میرا منتظر تھا۔ قیمتی لباس زیب تن کر کے جب میں پوری طرح تیار ہو گیا تو وزیر اعلیٰ نے کمرے کے اندر داخل ہو کر ادب سے عرض کیا... ''حضور عالی نماز کے لیے عیدگاہ چلیں! باہر نواب جاگیردار امرا اور دیگر وزرا کھڑے آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں۔ میں شانِ بے نیازی سے چلتا ہوا محل سے باہر آیا تو سیکڑوں لوگوں کو اپنا منتظر پایا۔ میرے محل سے نمودار ہوتے ہی چاروں طرف السلام علیکم کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ میں سپاہیوں کی مدد سے ہاتھی کے ہودج پر سوار ہو کر عیدگاہ کی جانب چل پڑا۔ میرے پیچھے ایک جمِ غفیر ساتھ ساتھ آرہا تھا۔ ہودج سے اتر کر میں اگلی صف میں شامل ہو گیا۔ عیدگاہ پر ہزاروں کا ہجوم موجود تھا۔ امام صاحب نے نہایت ہی سکون اور اطمینان سے نمازِ عید پڑھائی۔ دعا کے بعد ہر سمت سے عید مبارک، عید مبارک! کا شور بلند ہونے لگا۔ عیدگاہ سے واپسی پر محل میں دربار لگایا گیا۔ دوستوں، ساتھیوں میں قیمتی تحفے اور عطیات تقسیم کیے گئے۔ نواب اور جاگیرداروں کو خطابات سے نوازا گیا۔ ابھی دربار میں انعام واکرام کی عنایات کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک ایک سپاہی تیزی سے دوڑتا ہوا دربار میں داخل ہوا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں کہنے لگا ''بادشاہ سلامت پڑوسی ملک کے راجہ نے ہمارے ملک پر حملہ کر دیا ہے!!

یہ سنتے ہی دربار میں سنسنی پھیل گئی اور تمام سردار وزیر و سپاہی تلواریں تان کر کھڑے ہو گئے۔ میں بھی دربار سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا اور جنگی لباس پہن کر فوج کے درمیان پہنچ گیا۔ میدانِ جنگ میں ہزاروں سپاہی اونٹ گھوڑے اور ہاتھیوں پر سوار گولہ بارود اور ہتھیاروں سے لیس سپاہی میرے حکم کے منتظر تھے۔ اچانک دشمن سامنے سے قہر بن کر ٹوٹ پڑا۔ میں نے جوابی کارروائی کے لیے حکم دیا..... یلغار ہو —!! لیکن میرا ایک بھی سپاہی حرکت میں نہیں آیا۔ دشمن کے سپاہی میرے سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ رہے تھے۔ میں ایک بار پھر پوری قوت سے چیخا..... ''''یلغار ہو—!!'' اور پھر چیختا ہی رہا..... یلغار ہو..... یلغار ہو—!!''

اچانک ہی مجھے کسی نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ میں گھبرا کر نیند سے جاگ اٹھا اور حیرت سے چاروں طرف جلدی جلدی نظریں دوڑائیں۔ نہ محل نہ قلعہ! نہ ہی میدانِ جنگ اور نہ فوج..... میں اپنے ہی جھونپڑے میں پڑا گودڑی میں میٹھی نیند سو رہا تھا اور حسین خواب دیکھ رہا تھا۔ اہلیہ نے عید کا دن ہونے کی وجہ سے خلافِ معمول جلدی جگا دیا تھا۔ اہلیہ حیرت سے میرے چہرے کی جانب دیکھ رہی تھی۔ ایک لمحہ ٹھہر کر اس نے گھبرا کر مجھ سے پوچھا۔

''نیند میں اِس طرح پاگلوں کی طرح چیخ کیوں رہے تھے—!'' میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میں نے اہلیہ کو خواب سنایا تو وہ بھی بے اختیار ہنسنے لگی اور بولی..... ''چلو اچھا ہوا اصلی زندگی میں نہ سہی خواب میں تو بادشاہ بن گئے..... وہ بھی ایک دن کے لیے۔! یعنی عید کے دن کے بادشاہ!

■

Ronaq Jamal
'Kaainat' Street No: 9
Hiz Adarsh Nagar
Durg - 491001

محبوب راہی

بلند حوصلے

ایک سپہ سالار بنوں گا — دیش کا پہرے دار بنوں گا
آپ اپنی پتوار بنوں گا — میں نہ کسی پر بار بنوں گا
دنیا سے جو ظلم مٹا دے — عزم کی وہ تلوار بنوں گا
لڑتا رہوں گا ہر باطل سے — حق کا علمبردار بنوں گا
مہکا دوں گا سارا عالم — پیار کا اک گلزار بنوں گا
اک دن نفرت والوں کی بھی — چاہت کا حق دار بنوں گا
معذوروں کا مجبوروں کا — دکھیوں کا غم خوار بنوں گا
اپنے بزرگوں، اپنے بڑوں کا — سچا خدمت گار بنوں گا
ذرا بڑا تو ہوجانے دو — قوم کا میں سردار بنوں گا
بن کے رہوں گا جھوٹ کا دشمن — سچائی کا یار بنوں گا
دھوپ سے تپتے ہر رستے پر — پیڑ اک سایہ دار بنوں گا
دلدل سے پستی کی نکل کر — عظمت کا مینار بنوں گا

کچھ نہ بنا تو راہی جیسا
شاعر اور فنکاروں بنوں گا

■

Dr. Mahboob Rahi
Gulzari Masjid
Barsi Takli - 444401 (Maharashtra)

تنویر اختر رومانی

سیکھو

بچّو! آگے بڑھنا سیکھو
سیدھے رستے چلنا سیکھو
منزل تم کو مل جائے گی
چلنا، چلتے رہنا سیکھو
راہ کٹھن ہو غم نہ کرنا
پانی سے تم بہنا سیکھو
نیل گگن تک جانا ہو تو
پنچھی جیسا اڑنا سیکھو
دوڑو گے تو گر جاؤ گے
تھم تھم کر ہی چلنا سیکھو
جلدی میں کب کام بنا ہے
کام سکوں سے کرنا سیکھو
ساری دنیا پروانہ ہو
دیپک جیسا جلنا سیکھو
تم سے جگ میں اجیارا ہو
سورج جیسا اُگنا سیکھو
اپنے تو سب ہیں ہی اپنے
غیروں کو اپنانا سیکھو
کانٹوں سے ہے کس کو الفت
پھولوں سا مسکانا سیکھو

جینا مرنا ایک حقیقت
جینا ہے تو جینا سیکھو
جس نے جیون دے رکھا ہے
اس کے آگے جھکنا سیکھو
سکھ میں جینے کی خواہش ہے
تو پھر تم دکھ سہنا سیکھو
باطل کو تم مارو ٹھوکر
حق پر جم کر رہنا سیکھو
عزت پانا گر چاہو تو
سب کی عزت کرنا سیکھو
شرمندہ نا ہونا چاہو
غلطی پر شرمانا سیکھو
امّی ابّو دونوں جنّت
جنّت حاصل کرنا سیکھو
دل جب روٹھ کسی سے جائے
اپنا دل بہلانا سیکھو
دن میں کھیلو کودو لیکن
شام ڈھلے گھر آنا سیکھو
اختر بات پتے کی بولے
خود داری سے جینا سیکھو

■

Tanweer Akhtar Roomani
At & P.O: Azad Nagar
Jamshedpur - 832110
(Jharkhand)

جاوید اکرم

مہربانی کے دن

دادا دادی کے اور نانا نانی کے دن
یاد ہیں سب ہمیں مہربانی کے دن
ڈانٹنا آپ کا وہ محبت بھرا
خوب تھا اپنا بچپن شرارت بھرا
ناؤ کاغذ کی بارش کے پانی کے دن
یاد ہیں سب ہمیں مہربانی کے دن
اب بھی کانوں میں ہے لوریوں کی لہک
گود کی خوشبوئیں، تھپکیوں کی مہک
اور پریوں کے قصے کہانی کے دن
یاد ہیں سب ہمیں مہربانی کے دن
اپنے سینے سے ہم کو لگاتی تھیں آپ
روٹھ جاتے تھے ہم تو مناتی تھیں آپ

تھے کبھی اپنے بھی حکمرانی کے دن
یاد ہیں سب ہمیں مہربانی کے دن
روکنا، ٹوکنا ہر غلط بات پر
خوب تعریف اچھے خیالات پر
انگلی تھامے ہوئے سائبانی کے دن
یاد ہیں سب ہمیں مہربانی کے دن
دادا دادی کے اور نانا نانی کے دن
گڑیا، گڈے کھلانا بھی بھولے نہیں
راجا، رانی بنانا بھی بھولے نہیں
کاش! لوٹ آئیں پھر راجا، رانی کے دن
یاد ہیں سب ہمیں مہربانی کے دن
دادا، دادی کے اور نانا، نانی کے دن

■

Javed Akram
Kendriya Vidhyalya, I. I. M
Lucknow - 226013 (UP)

ویدمتر شکل

نظمیں

گاندھی باپو کی کٹیا میں
بیٹھے بندر پورے تین
ان تینوں کی بات نرالی
ان پر کرتے سبھی یقین
پہلا بندر کہتا ہم سے
منہ پر ہاتھوں کو رکھ کر کے
کبھی بری باتیں مت کہنا
اچھی اچھی باتیں کر کے
سنیں نہیں ہم بری بات کو
دوسرا کہے کان ڈھک کر
تیسرا بندر: برا نہ دیکھیں
آنکھیں سدا بند ہی رکھ کر
باپو جی کے تینوں بندر
ہمیشہ رہے غلط کاموں سے دور
کیسے بچیں برائی سے سب
ان کے تین روپ مشہور

پیدل چلنا

تیز تیز پیدل چلنا
باپو جی کو بھائے بچو!
یاترا تو پوری ہوتی
صحت بھی بن جائے بچو!
ستیا گرہ آزادی کے لیے
بار بار وہ کرتے تھے،
اپنی پیاری لاٹھی تھامے
سدا پیدل چلتے تھے
دانڈی یاترا کتنی مشہور ہے
باپو نے پیدل طے کی
انگریزوں کو سبق سکھا کر
بھارت ماتا کی جے کی
ہم کو بھی زیادہ سے زیادہ
بچو! پیدل چلنا ہے
صحت کی خاطر جو بھی
اچھا ہے اس کو کرنا ہے

■

Dr. Ved Mitr Shukl
Dept of English, Rajdhani College
Delhi University, Delhi - 110015

ذکیہ مشہدی

دادی کی بکری

دانیال کی گرمی کی چھٹیاں پورے ایک ماہ کی تھیں۔ وہ کوئی دس بارہ دنوں سے دادی کے پاس ہی تھے۔ ایک دن گھر میں کام کرنے والی نسیمہ نہیں آئیں۔ دوسرے دن آئیں تو دادی نے وجہ پوچھی "سب خیریت تو ہے نسیمہ۔ کل کیوں نہیں آئیں۔"

"سب ٹھیک ہے دادی۔ نسیمہ بھی انھیں دادی ہی کہتی تھی۔ کل ہماری بکری نے دو بچے دیے اس لیے اماں نے ہمیں روک لیا۔" وہ بہت خوش نظر آرہی تھی۔

دانیال آس پاس ہی تھے۔ وہ دوڑ کر آئے۔ "دادی۔ ہم بکری کے بچے دیکھیں گے۔"

"بہت پیارے ہیں۔ منے منے سے۔" نسیم نے بتایا۔

"کس رنگ کے ہیں؟" دانیال وہیں جم کر بیٹھ گئے۔

نسیمہ مٹر چھیل رہی تھی۔

"ایک اپنی ماں کی طرح کالا ہے اور دوسرا کالا اور سفید ملا جلا۔ مخمل جیسے ہیں۔ چمکیلے اور ملائم۔"

دانیال کا لالچ اور بڑھ گیا۔ انھوں نے ضد کی کہ وہ بچے ضرور دیکھیں گے۔

نسیمہ کا گھر دور نہیں تھا۔ دادی نے کہا کام ختم کر کے بھیا کو بچے دکھالانا۔ لیکن دیر تک رکنا نہیں۔ آدھے گھنٹے میں واپس آجانا۔

"ٹھیک ہے۔" دانیال راضی ہو گئے۔

چار بجے کام ختم کر کے نسیمہ دانیال کو بچے دکھانے لے گئی۔ وہ ساتھ میں ہری مٹر کے چھلکے لے آئی تھی۔ چھلکے اس نے بکری کے آگے ڈالے۔ بکری انھیں شوق سے کھانے لگی۔ دانیال نے ایک چھلکا اٹھا کر بچے کو دینا چاہا۔

"ارے، ارے ابھی نہیں بھیا۔ ابھی بچہ صرف ماں کا دودھ پیے گا۔"

تب دانیال نے مٹر کا چھلکا بکری کے آگے ڈال دیا۔

نسیمہ کے یہاں ایک بکری اور بھی تھی۔ وہ آرام سے بیٹھی جگالی کر رہی تھی۔

"یہ کیا کھا رہی ہے؟ اس کے آگے تو کچھ رکھا بھی نہیں ہے۔" دانیال نے پوچھا

"کچھ نہیں۔ یہ کچھ نہیں کھا رہی ہے..."

"پھر اس کا منہ کیوں چل رہا ہے؟"

"یہ اپنا کھانا کھا کر جگالی کر رہی ہے۔" نسیمہ کی اماں

نے کہا۔نسیمہ کی اماں دانیال کے لیے ایک پلاسٹک کا اسٹول لے آئی تھیں۔دانیال مزے سے اس پر بیٹھ گئے۔نسیمہ بغل کی دوکان سے جھٹ پٹ گلوکوز بسکٹ کا ایک چھوٹا پیکٹ لے آئی۔ وہ دانیال کو تحفے میں دیا گیا۔انھوں نے ایک بسکٹ نکال کر اس بکری کو کھلایا جس نے بچے دیے تھے۔اسے انھوں نے مما بکری کا نام دیا۔دوسری بکری کو بھی ایک بسکٹ دکھایا لیکن اس نے نہیں لیا۔ وہ یونہی منہ چلاتی رہی۔ دانیال بڑے حیران ہوئے لیکن چپ رہے۔

گھر آکر دانیال نے دادی کو ننھے ننھے بکری کے بچوں کے بارے میں بتایا۔وہ بہت خوش خوش آئے تھے۔پھر انھوں نے اس بکری کے بارے میں بھی بتایا جو بغیر کچھ کھائے منہ چلا رہی تھی۔اس نے دانیال کا دیا ہوا بسکٹ بھی قبول نہیں کیا۔جبکہ مما بکری نے اسے جھپٹ کر لے لیا اور بڑے شوق سے کھالیا۔چلتے وقت دیکھا دونوں ننھے پیارے بچے ماں کا دودھ پی رہے تھے لیکن وہ بے وقوف بکری..... اچھا دادی بکری چیونگم چباتی ہے کیا؟

دادی بہت زور سے ہنسیں۔نہیں بکری چیونگم نہیں چباتی۔آؤ تمھیں ہم اپنے بچپن کی بات بتائیں۔ جب ہم تمھارے جیسے چھوٹے سے تھے۔

دادی کبھی چھوٹی سی تھیں یہ سن کر دانیال کو بہت مزا آتا تھا اس لیے وہ ان کے بچپن کی باتیں شوق سے سنتے تھے۔

دادی نے بتایا۔ جب ہم چھوٹے تھے تو ہم نے ایک بکری پالی تھی۔ابو بکری پالنے کے خلاف تھے لیکن ہماری دادی ہماری ہر بات مان لیتی تھیں۔انھوں نے کہیں سے بکری کا ایک بچہ منگا دیا۔ہم نے اس کا نام می می رکھا۔

می می بہت چھوٹی تھی۔ کالے چمکیلے رنگ اور لانبے لانبے کانوں والی بکری۔وہ چھوٹی ضرور تھی لیکن اب گھاس اور ملائم پتے کھانے لگی تھی۔ ماں کا دودھ چھوٹ گیا تھا۔ ہمارے یہاں ایک بوڑھے منشی جی تھے۔ وہ اس کے لیے پیپل کے تازہ،نرم پتے لا دیتے تھے۔ایک دن ہم نے دیکھا می می پتے کھانے کے بعد بھی منہ چلا رہی ہے۔ پھر ایسا کئی بار دیکھا۔ ہمیں بڑی پریشانی ہونے لگی۔لگا کہ اس کا منہ تھک جائے گا۔ جبڑے دکھنے لگیں گے۔یہ ڈر لگا کہ کہیں اس کے دانت نہ گھس جائیں۔ایک آدھ مرتبہ اسے گود میں دبوچ کر اس کا منہ پکڑ کر اسے روکنے کی بھی کوشش کی۔

ایک دن ہماری دادی نے دیکھ لیا۔ہم نے می می کا منہ کس کے پکڑ رکھا تھا اور وہ اچھل کود کر کے بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''کیا کر رہی ہو؟ چوٹ لگ جائے گی۔گر جاؤ گی۔''

دادی چلائیں ''می می کا منہ چھوڑو۔''

ہم نے بتایا کہ ہم می می کا خالی منہ چلنے سے روک رہے تھے۔

ہماری دادی ہنسنے لگیں اور پیار سے ایک چپت لگا کر بولیں ''پگلی کہیں کی۔''

دانیال خوب ہی تو ہنسے۔کوئی دادی کو چپت لگا سکتا ہے۔ ''پگلی کہیں کی'' کہہ سکتا ہے۔

ان کی ہنسی اتنی بے ساختہ تھی کہ دادی کو بھی ہنسی آگئی۔

جب ہنسی تھمی تو دانیال نے پوچھا ''تب آپ کتنی بڑی تھیں''

''بس اتنی ہی، جتنے تم ہو۔نو برس کی۔''

''پھر ہمیں ہماری دادی نے بتایا کہ اسے جگالی کرنا کہتے ہیں۔ بہت سے جانور ہیں جو جگالی کرتے ہیں۔ جیسے گائے، بیل، بھینس، بکری، بھیڑ، ہرن۔ یہ سبھی جانور گھاس، پتے، بھوسہ، دانہ وغیرہ کھاتے ہیں یعنی گوشت نہیں کھاتے۔ دوسرے جانوروں کا شکار نہیں کرتے۔ یہ سبزی خور جانور کہلاتے ہیں۔ تم نے نسیمہ کی جس بکری کو منہ چلاتے دیکھا وہ جگالی کر رہی ہوگی۔''

''جگالی ہوتی کیا ہے؟ کیوں کرتے ہیں جانور جگالی۔'' دانیال نے پوچھا۔ انھیں آس پاس کی چیزوں کے بارے میں جاننے کا شوق تھا۔ زیادہ تر بچے سوال کرتے بھی ہیں۔

دادی نے بتایا:

سب جاندار کھانا کھاتے ہیں۔ زیادہ تر کا کھانا ان کے پیٹ میں جاتا ہے۔ پیٹ میں ایک عضو ہوتا ہے جسے معدہ کہتے ہیں۔ انگریزی میں یہ Stomach کہلاتا ہے۔ معدہ ایک تھیلی جیسا ہوتا ہے۔ کھانا چبانے کے بعد جب ہم اسے نگلتے ہیں تو غذا کی نلی سے ہوتے ہوئے معدے میں پہنچ جاتا ہے لیکن کچھ جانوروں کا معدہ چار خانوں میں بٹا ہوا ہوتا ہے۔ پہلے خانے کو انگریزی میں رومن (Rumen) کہتے ہیں۔ اسی لیے جو جانور جگالی کرتے ہیں انھیں 'رومی نٹ' (Ruminant) کہا جاتا ہے۔

دانیال نے دوہرایا رومی نٹ۔ وہ سائنس کی کتاب میں آج کل جانوروں کے بارے میں پڑھ رہے تھے اور جسم کے مختلف نظاموں کے بارے میں بھی ابتدائی معلومات حاصل کر رہے تھے۔

دادی نے بات آگے بڑھائی۔

جگالی کرنے والے جانور جب اپنی غذا کھاتے ہیں تو پہلے یہ رومن میں جاتی ہے۔ وہاں یہ کچھ اور نرم ہوتی ہے۔ اس میں خمیر بھی پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ چھوٹے چھوٹے گولوں کی شکل میں جانور کے منہ میں واپس آتی رہتی ہے۔ جانور انھیں چبا کر مزید نرم کرتے ہیں۔ تب یہ معدے کے دوسرے حصوں سے گزرتی ہوئی ہضم ہوجاتی ہے۔ غذا سے جسم کو طاقت ملتی ہے۔ انسان ہو یا جانور سب اپنی اپنی غذا پر زندہ رہتے ہیں، پلتے بڑھتے ہیں۔

دادی کی بات سنتے سنتے دانیال نے اچانک ہنسنا شروع کردیا۔

''اب اس میں ہنسنے کی کیا بات تھی؟ کیوں ہنسے؟'' دادی نے پوچھا۔

''دادی، ہم سوچ رہے تھے آپ کی دادی کیسی رہی ہوں گی۔ اور آپ کی بکری می می۔''

''سب دادیاں، نانیاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ محبت کرنے والی، کہانیاں سنانے والی اور ضرورت پڑے تو ایک چپت لگانے والی۔'' دادی نے ہنس کر جواب دیا ''اور بچے بھی سب ایک جیسے ہوتے ہیں۔ معصوم، پیارے۔'' ان کے لہجے میں محبت تھی۔ رہی بکریاں... ''دانیال نے بات کاٹ دی۔ ''وہ سب بھی ایک جیسی ہوتی ہیں جگالی کرنے والی'' انھوں نے شرارت بھرے لہجے میں کہا اور اس سے قبل کہ دادی انھیں چپت لگائیں بھاگ نکلے۔

■

Zakia Mashhadi
F-1, Grand Pallavi Court
Judges Court Road
Patna - 800004

ایم رحمان

کہانی

دولت

''بابا پیسہ دے''

فقیر نے آواز لگائی.....!''

سننے والے نے دیکھا، وہ تو ہاتھ پاؤں سے درست معلوم ہورہا تھا۔

ایک آدمی نے رک کر اس سے کہا:

'نہیں پیسہ کیوں دیا جائے؟'

فقیر بولا—

'میں غریب ہوں۔'

آدمی نے کہا:

'نہیں تم غریب نہیں ہو۔'

'تم بہت دولت مند ہو'

فقیر نے کہا: 'بابو جی!

مذاق نہ کیجیے.....!

— میرے پاس دولت کہاں؟ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں۔

دن بھر بھیک مانگتا ہوں اور شام کی روٹی کا انتظام کرتا ہوں۔

کبھی بھیک مل جاتی ہے تو کبھی اتنا کم کہ رات میں خالی پیٹ سونے کی نوبت آجاتی ہے...!'

'تم سچ سچ ہمیں بتاؤ کہ واقعی تم غریب ہو؟

ہاں! جی بابو جی!!

میں غریب ہوں اس لیے تو بھیک مانگتا ہوں۔

آدمی نے سوچا کہ یہ تو کسی طرح سچ بتانے پر آمادہ نہیں ہے۔

تھک ہار کر آدمی نے کہا:

'اچھا تمھارے پاس جو کچھ ہے مجھے دے دو۔'

میں اس کے بدلے تم کو دس ہزار روپے دیتا ہوں۔

اتنا سننا تھا کہ فقیر نے اپنی جھولی کندھے سے اتاری اور کہا:

بابو جی! میرے پاس یہی ہے۔

اس کو آپ لے لیجیے؟

آدمی نے کہا:

نہیں... 'تمھارے پاس اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔'

فقیر نے کہا:

بابو جی! آپ ہی دیکھ لیں۔

میں نے تو آپ کو اپنی جھولی بھی دکھا دی...، اور کیا ہے؟ میرے پاس؟

آدمی نے کہا:

تمھارے پاس دو پاؤں ہیں۔

ایک پاؤں تم مجھے دے دو اور مجھ سے دس ہزار روپے لے لو!

فقیر نے دینے سے انکار کیا،

اچھا تمھارے پاس دو ہاتھ ہیں۔

ایک ہاتھ تم مجھ کو دے دو اور مجھ سے 20 ہزار روپے لے لو۔

فقیر نے دوبارہ دینے سے انکار کیا۔

آدمی نے کہا: اچھا تمھارے پاس دو آنکھیں ہیں۔

'ایک آنکھ مجھ کو دے دو اور مجھ سے 20 ہزار روپے لے لو۔'

فقیر نے اب بھی دینے سے انکار کیا۔

آدمی نے کہا:

دیکھو تمھارے پاس دو پاؤں، دو ہاتھ اور دو آنکھیں ہیں، میں نے تو صرف ایک ایک کے دام لگائے تو پچاس ہزار روپے ہو گئے نا! اگر دونوں پاؤں، دونوں ہاتھ اور دونوں آنکھوں کا دام لگایا جائے تو ان کی قیمت ایک لاکھ روپے ہو جائے گی۔ اب تم ہی بتلاؤ اتنے ڈھیر روپوں سے تمھیں بھیک تو مانگنا نہیں پڑے گا اور ہاتھوں میں پیسوں کی بہار بھی ہو گی۔۔۔ صبح سے شام تک سڑک کی خاک اٹھانی نہیں پڑے گی۔ تم اب بھی مان جاؤ تمھاری بھلائی کے لیے ہی اتنی بڑی رقم کے لیے کہہ رہا ہوں۔

نہیں... نہیں!

بابو جی! چاہے جتنی بڑی رقم کیوں نہ دیں یہ ہمارے کام کی ہیں۔'

وہ ٹس سے مَس نہیں ہوا۔۔۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ جو تمھارے پاس اللہ کی دی ہوئی نعمت کے طور پر جسم ہے جس میں بے شمار چیزیں ہیں۔

آدمی نے کہا:

تم بھیک مانگنا چھوڑ دو اور اپنی اس قیمتی دولت کا استعمال کرو۔

تم سے زیادہ کامیاب دنیا میں کوئی نہیں ہوگا۔

آدمی نے بات بڑھاتے ہوئے پھر کہا:

'انسان کو اللہ تعالیٰ نے بڑی عجیب صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے۔'

عام حالات میں اس کا اندازہ نہیں ہوتا۔ البتہ کوئی چیز نہ رہے تو اس وقت معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسی قیمتی تھی جو اس نے کھو دی ہے۔ ہمیں تو قدرت کے نعمتوں پر شکریہ ادا کرنا چاہیے۔

آدمی نے پھر اس فقیر کو ایک واقعہ سنایا:

اب فقیر بڑے غور سے آدمی کی باتوں کو سن رہا تھا: ایک مریض ہے اس کی عمر 25 سال ہے۔ بیماری کی وجہ سے اس کے دونوں گردے خراب ہو گئے ہیں۔

اس نے آل انڈیا میڈیکل انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لیا۔

ڈاکٹروں نے بتایا کہ اس کے لیے زندگی کی صورت صرف یہ

ہے کہ وہ کسی شخص سے ایک گُردہ بطور عطیہ حاصل کرے۔'

گُردہ، ایک خالص قدرتی پیداوار ہے۔ کسی انسانی کارخانہ میں لاکھوں روپیہ خرچ کرکے بھی گردہ بنایا نہیں جاسکتا۔

فقیر کو اب اس کی باتیں سمجھ میں آگئی تھیں کہ حقیقت یہ ہے کہ 'آدمی کے پاس کچھ نہ ہو تب بھی اس کے پاس بہت کچھ ہوتا ہے۔'

یہ جسم اور دماغ جو ہمیں ملا ہے، یہ تمام قیمتی چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے۔ آدمی اگر اپنے جسم و دماغ کی صلاحیتوں کو استعمال کرے تو دنیا کی ہر کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ کوئی چیز اس کے لیے ناممکن نہیں ہے۔

اب فقیر کو احساس ہوا۔ وہ اب کام کاج کرکے ہی زندگی گزارنے پر تیار ہوگیا اور کہا: بابو جی

زندگی میں آج تک آپ جیسا آدمی نہیں ملا۔ جو اتنی باتیں مجھے پیار سے سمجھاتا۔

سبھی لوگ میرے کٹورے میں دور سے سکے اچھال کر بدبداتے چلے جاتے ہیں۔ کوئی دھتکار بھی دیتا ہے پھر بھی ہم ذلیل ہوکر پیٹ بھرتے ہیں۔

لیکن آج سے محنت کرکے پیٹ بھروں گا۔

■

M. Rahman
160- Ghalib Apts.
Parwana Road, Pitampura
Delhi - 110034

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکن سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

100 روپے کا ڈرافٹ/منی آرڈر.............................. ......بتاریخ..............................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/100 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: SYNB0009009

میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

اکرام شبنم امروہوی

ندامت کے آنسو

شاہد نے رسالہ بند کر کے میز پر رکھ دیا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

ابھی ابھی اس نے رسالے کے اندر ایک کہانی سوتیلی ماں پڑھی تھی۔ کہانی نے اس کے دل پر ایسا اثر کیا کہ وہ اسے ایک کہانی نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت جان کر اسے اپنے دل کی گہرائیوں میں ڈبو کر یہ سوچنے پر مجبور تھا۔

''کیا سوتیلی ماں ایسی ہوتی ہے.....؟

اور فوراً ہی کہانی کے آخری جملے پر وہ سوچنے لگا، تب ہی اس کے سوالوں کا جواب مل گیا۔

دوسری کوکھ کی جنی ہوئی اولاد کو عورت وہ پیار نہیں دے سکتی جو اپنی کوکھ سے جنی ہوئی اولاد کو دے سکتی ہے۔

اور پھر اس کے ذہن میں ایک دم یہ سوال ابھرا.....؟

لیکن میری ماں جو ایک سوتیلی ماں ہے اس نے مجھے کبھی پیار کے بدلے میں نفرت نہیں دی۔ اپنی گیارہ سالہ زندگی میں میں نے کبھی ماں کے چہرے پر اپنے لیے نفرت نہیں دیکھی۔ وہ مجھے بے پناہ پیار کرتی ہے۔ اسکول جانے سے پہلے ناشتہ کراتی ہے اور جیب خرچ کے لیے پیسے بھی دیتی ہے۔ جب میں کسی چیز کی فرمائش کرتا ہوں تو فوراً پوری کی جاتی ہے۔ اگر کبھی چھٹی کے بعد اسکول میں کھیلنے کا پروگرام بن جاتا ہے اور میں دیر سے گھر پہنچتا ہوں تو ماں کتنی بے چین ہو جاتی ہے۔

اگر میں کسی دن کھانے سے انکار کر دیتا ہوں تو ماں میری طرف سے فکر مند ہو جاتی ہے اور ڈاکٹر کے یہاں لے جانے کے لیے ضد کرتی ہے۔

"بالکل بچوں جیسی ضد..... آخر کیوں.....؟

وہ میرے ساتھ ایسا سلوک کیوں نہیں کرتی جیسا کہ میں نے اس کہانی میں پڑھا ہے۔

لیکن میں نے اس کے پیار کے بدلے کیا دیا.....؟

ایک بڑا سوال اس کے ذہن کو جون کی طرح چمٹ جاتا ہے۔ اس کا دل رونے لگتا ہے اور آنکھوں سے آنسو چھلکنے لگتے ہیں۔

ماں دنیا میں وہ نعمت ہے، ایک ایسی شے ہے جو اولاد کا غم، اولاد کی تکلیف، سب کچھ اپنے اندر سمونے کی طاقت رکھتی ہے۔ ماں کا دل ایک سمندر ہے جس میں میں نے کبھی ڈوب کر نہیں دیکھا۔ ہمیشہ سمندر کے بارے میں یہی سوچ کر نفرت کرتا رہا کہ وہ کتنے انسانوں، کتنے جہازوں اور کشتیوں کو اپنے دامن میں تیرتے تیرتے دھوکے سے ڈبو دیتا ہے۔ میں نے ماں کو ایک ایسا سمندر جان کر ہی نفرت کی تھی، لیکن کبھی یہ ارادہ نہیں کیا کہ اس سمندر کے دامن میں بے شمار چھپے موتی ہوئے ہیں جنھیں ماہر غوطہ غور نکالنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح ایک ماں نے جس کے دامن میں سکھ اور شانتی ہے، ایک ایسی شانتی جو اس کے لیے دونوں جہاں میں کام آتی ہے۔

ماں جسے میں نے اس کے پیار کے بدلے نفرت دی، اس کی محبت کو جھوٹا جانا اور اپنے دل سے، اپنی نظر سے ماں کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔

اُف! کتنا بڑا گناہ میں اب تک کرتا رہا ہوں۔ میری ماں کس قدر عظیم ہے جس نے مجھے کبھی یہ سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ میری سوتیلی ماں ہے۔

یہ تو میرے دل میں نفرت کا بیج بونے والی میری پھوپی ہے جس نے ہمیشہ مجھے یہ نصیحت کی کہ وہ میری سوتیلی ماں ہے، ہوشیار رہنا۔ کوئی عورت دوسری عورت کی اولاد کو محبت نہیں دے سکتی۔

بارش ہونے لگی تھی اور ٹھنڈی ہوا کھڑکی کے ذریعے اندر آنے لگی۔ شاہد کو کچھ ٹھنڈک سی محسوس ہونے لگی۔ اس نے کھڑکی کے دونوں پٹ ملا کر بند کر دیے اور پلنگ پر آ کر لیٹ گیا۔

ابھی کچھ دیر پہلے ماں نے کمرے میں آ کر بتی جلائی تھی اور شاہد سے کھانے کے لیے کہا تھا اور میں نے منع کر دیا تھا۔ کہانی سوتیلی ماں پڑھتے پڑھتے اس کے دل میں نفرت کا جذبہ جاگ گیا تھا اور وہ اب اس بات پر افسوس کر رہا تھا کہ میں نے ماں سے سدا نفرت کی، اس کے اندر چھپے ہوئے پیار کو نہ دیکھا، اس کے بدلے اس سے نفرت کرتا رہا۔

اُف! میرے خدا! کیا تو میرے گناہوں کو معاف کر دے گا جو اب تک مجھ سے ہوتے رہے ہیں۔

دور کہیں بجلی کی کڑک سنائی دی اور بارش کا زور بڑھتا گیا۔ شاہد نے سنا تھا کہ جب اس کی حقیقی ماں کا انتقال ہوا تھا تو وہ مشکل سے دو ڈھائی سال کا تھا۔ اس کی ماں کی اچانک موت کے بعد اس کے باپ نے لوگوں کے مشورے پر اپنی دوسری شادی کر لی تھی۔ لوگ کہتے تھے اس کی دوسری ماں نے اسے اپنی اولاد کی طرح پالا تھا اور جب شاہد جوں

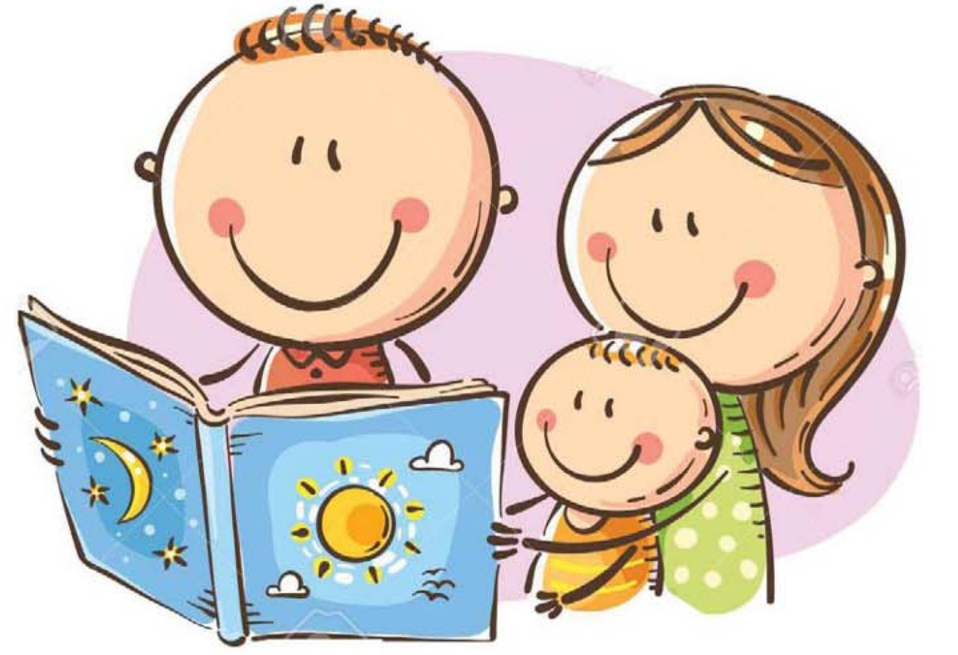

جوں بڑا ہوتا گیا اسی طرح اس کی پھوپھی اسے سوتیلی ماں اور حقیقی ماں کا فرق بتاتی رہی اور ایک دن اس کے دل میں نفرت کا بیج اُگ آیا۔ بڑا ہوکر ماں سے خاموش خاموش نفرت کرنے لگا۔ لیکن اس نے اس کو اپنا پیار برابر دیا۔ اس نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ اس کے بدلے اسے کیا ملتا ہے۔ اس نے اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہوکر سچا پیار شاہد کو دیا تھا۔ اسے اس بات کی خواہش نہ تھی کہ اس کے بدلے شاہد اسے کیا دے گا۔

اچانک بڑی خوفناک آواز کے ساتھ بجلی اس طرح کو ندی جیسے کہیں اس پاس ہی گری ہو۔ شاہد نے ایک زوردار چیخ ماری۔ اس کی سوتیلی ماں بھاگی بھاگی اس کمرے میں آئی اور اس نے شاہد کو میرا بیٹا کہتے ہوئے سینے میں چھپا لیا اور شاہد سسکیوں کے درمیان کہہ رہا تھا ”ماں اچھی ماں مجھے معاف کردو، میں نے سدا تمھیں پیار کے بدلے نفرت دی، تمھاری محبت کو نہیں پہچانا کہ ماں کتنی عظیم ہوتی ہے۔“

ماں شاہد کے آنسو پونچھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

پگلے اتنا بڑا ہوکر روتا ہے۔ ارے ماں کا دل سمندر کی طرح ہوتا ہے اور تو اس میں غوطہ لگاتے ہوئے ڈرتا ہے، جہاں بے شمار موتی چھپے پڑے ہیں۔

■

Ikram Shabnam
Bazar Shafatpota
Amroha - 244221 (UP)

تیسری قسط

انصاف

(ڈرامہ)

مصنف: محسن خان

مصور: فجرالدین

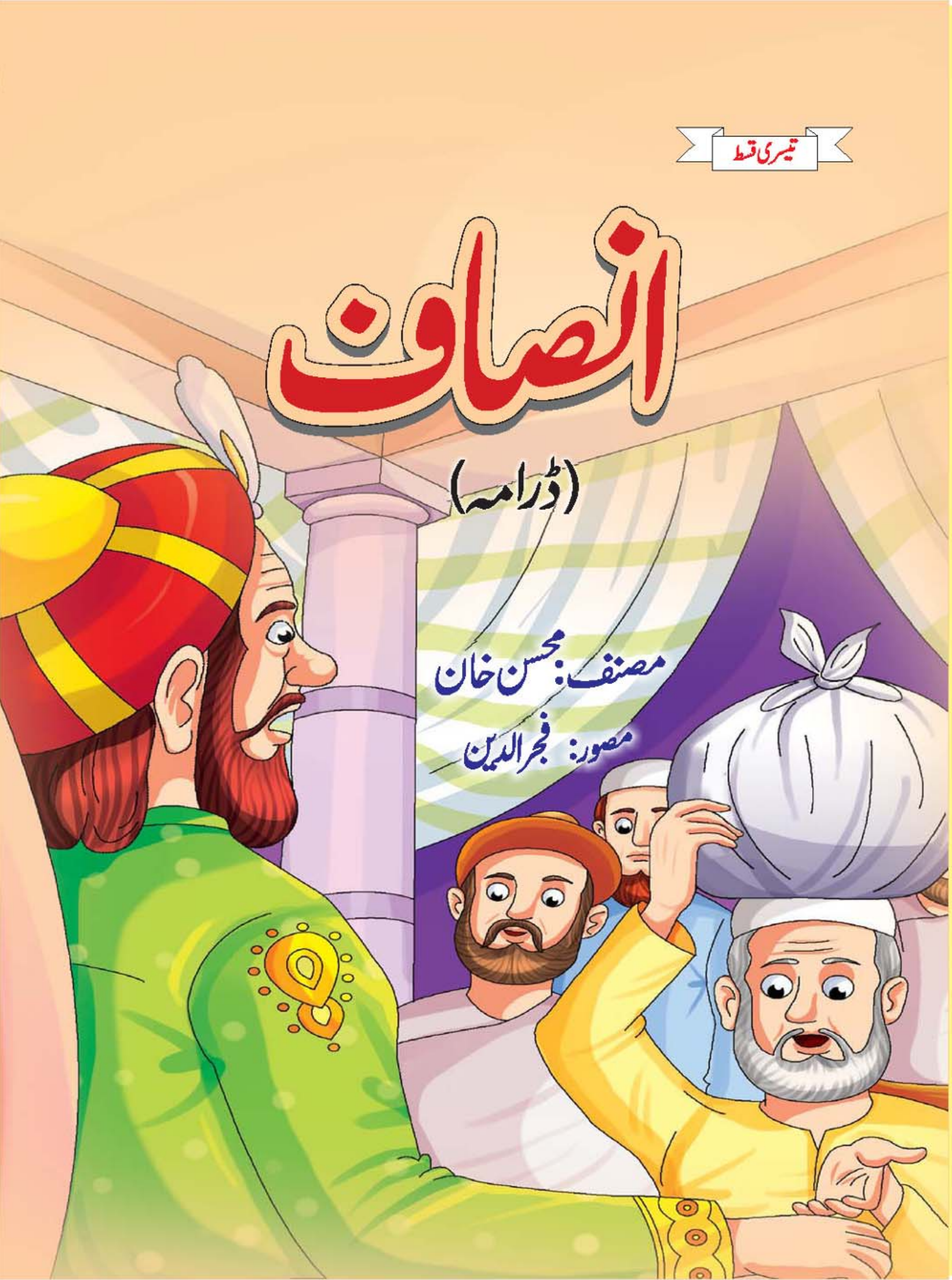

دوسرا منظر

(صبح کا وقت ------ ہادی سو رہا ہے۔ امیر علی خوب زور زور سے چلاتا ہے)

امیر علی: ہائے میری گٹھری، ہائے میری گٹھری چُرا لے گیا۔ میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ وہ ٹھگ ہے ٹھگ۔

ہادی: (ہڑبڑا کے اُٹھتا ہے) کیا ہُوا، کیا ہُوا؟

امیر علی: ارے وہی ہُوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ رات کو مجھے ذرا سی جھپکی آ گئی اور وہ ٹھگ جسے تم نیک انسان کہہ رہے تھے۔ چُپکے سے گٹھری اُٹھا لے گیا۔ ہائے میری گٹھری، ہائے میرے پیسے۔ کن مشکلوں سے جمع کیے تھے اتنے پیسے۔ (امیر علی خوب روتا ہے)

ہادی: تمھارے تو صرف پیسے ہی تھے میں تو بیوی کے لیے زیور بھی لیے جا رہا تھا۔ اب گھر جا کر اُسے کیا مُنہ دکھاؤں گا۔

(ہادی بھی خوب روتا ہے)

امیر علی: کہہ رہا تھا میرا گھر قریب ہی ہے رات میں کوئی پریشانی ہو تو پُکار لینا اور خود ہی پریشان کر گیا۔

ہادی: چلو گھر چل کر اس کو پکڑتے ہیں۔

امیر علی: (گھبرا کے) اب اس کے پاس جانے کے بجائے یہاں سے نکل بھاگنا چاہیے ورنہ وہ ہم لوگوں کو قتل کر دے گا تا کہ ہم لوگ مہاراجہ سے شکایت نہ کر سکیں۔ چلو دربار چل کر مہاراجہ سے شکایت کرتے ہیں۔

ہادی: ہاں، چلو دربار چلتے ہیں۔

(دونوں بھاگتے ہوئے ایک طرف کو جاتے ہیں۔ راستے میں اُنھیں کچھ لوگ ملتے ہیں)

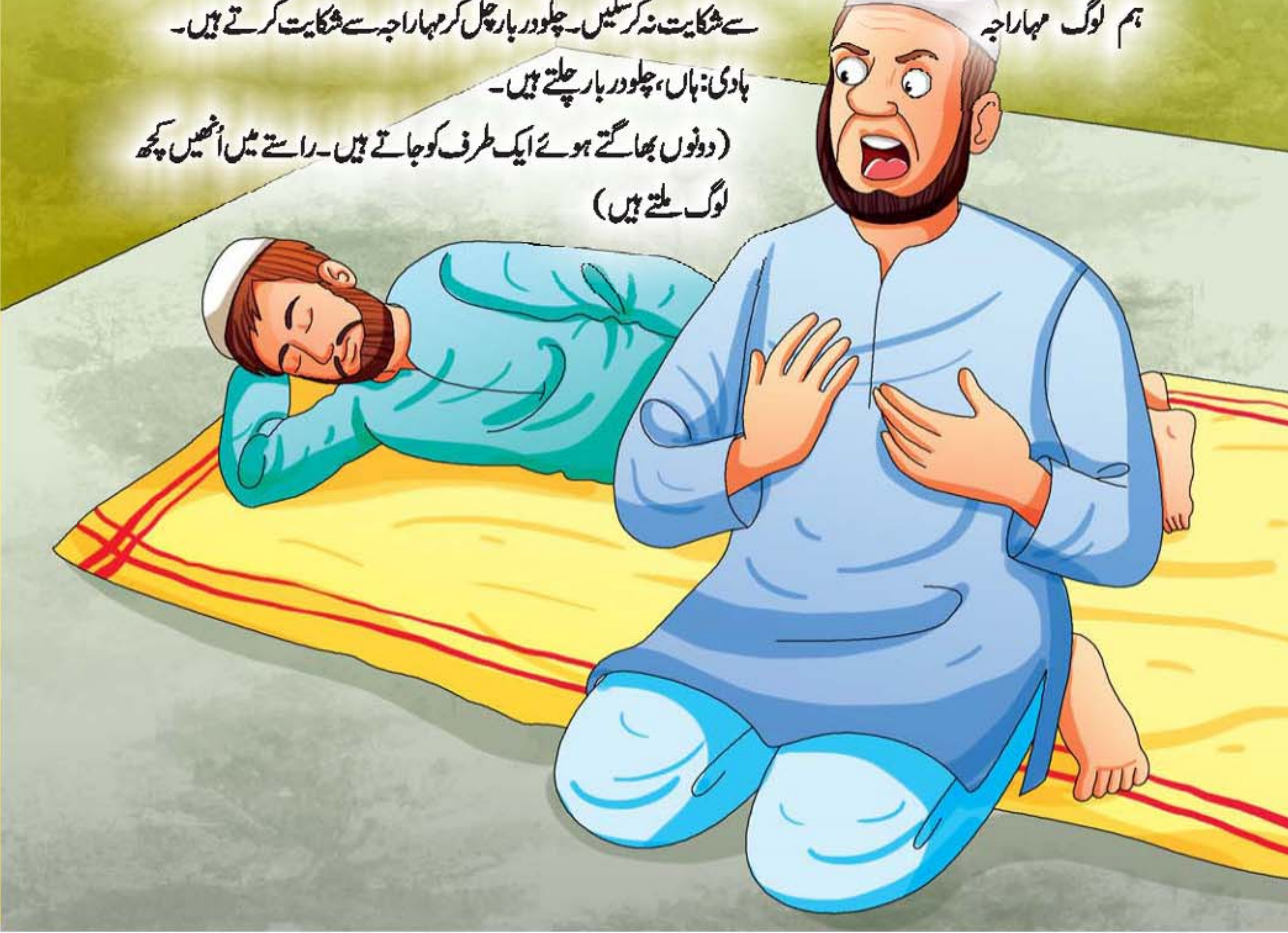

پہلا آدمی: آپ لوگ بھاگ کیوں رہے ہیں؟

امیر علی: تا کہ وہ ہم لوگوں کو قتل نہ کر سکے۔

دوسرا آدمی: آپ لوگوں کو کون قتل کرے گا؟

امیر علی: جس نے ہماری گٹھری چُرائی ہے۔

پہلا آدمی: انصار نام کے ایک آدمی نے جو سرائے کے پاس رہتا ہے۔

(دیکھتے دیکھتے وہاں بہت سے لوگ جمع ہو جاتے ہیں)

پہلا آدمی: (سب لوگوں سے مخاطب ہو کر) بھائیو! ایک انوکھی بات سُنیے۔ یہاں انصاف نگر میں، کسی نے ان مسافروں کی گٹھری چُرائی ہے اور یہ لوگ اس ڈر سے بھاگ رہے ہیں کہ گٹھری چور کہیں انھیں قتل نہ کر دے۔

تیسرا آدمی: یہ نہیں ہو سکتا، ان لوگوں کو وہم ہُوا ہے۔

چوتھا آدمی: انصاف نگر میں چوری............ یہ نہیں ہو سکتا۔

پانچواں آدمی: اگر ان لوگوں کی بات سچ ہے تو ہم لوگ ان کو دربار لے چلتے ہیں۔ مہاراجہ انصاف کریں گے۔

امیر علی: ایسے ملک کا راجہ بھلا کیا انصاف کرے گا جہاں مسافروں کی گٹھریاں چُرالی جاتی ہوں۔

پہلا آدمی: یہ انصاف نگر ہے اور یہاں کا راجہ منصف، اسی لیے اس ملک میں کبھی کسی کے ساتھ نا انصافی نہیں ہوئی۔ آپ کو حق مِلے گا اور مُجرم کو سزا۔

دوسرا آدمی: آپ لوگ ہمارے ساتھ دربار چلیے۔

ہادی: (امیر علی سے مخاطب ہو کر) چلو چلتے ہیں۔

امیر علی: (خوف کے ساتھ) ہاں، چلو۔

(سب لوگ دونوں مسافروں کو لے کر دربار جاتے ہیں)

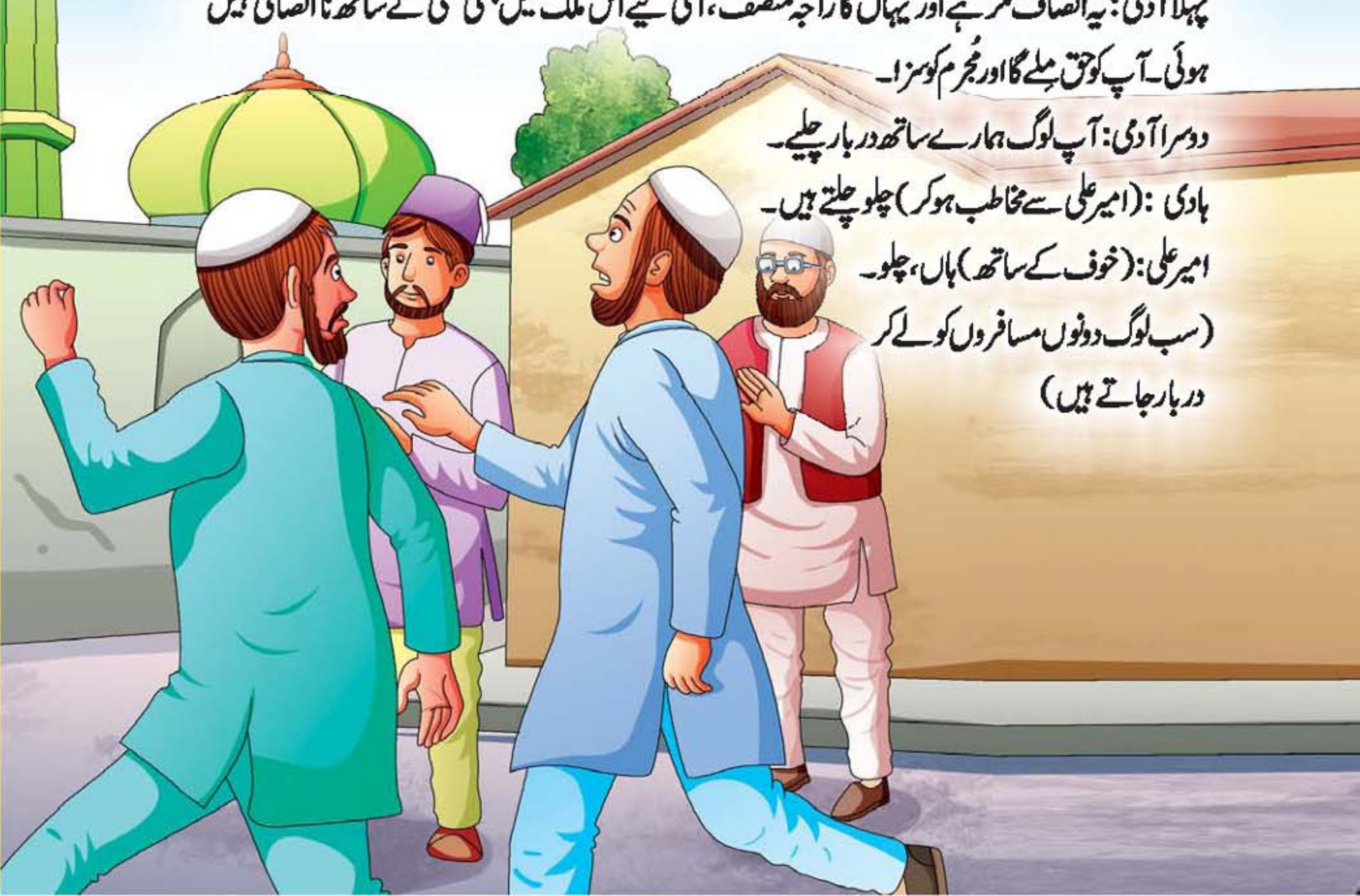

تیسرا منظر

(دربار لگا ہے۔ مہاراجہ اونچی مسند پر بیٹھا ہے۔ دو درباری مہاراجہ کے دونوں طرف کھڑے مور چھل ہِلا رہے ہیں۔ سامنے امیر علی، ہادی اور انصاف نگر کے کئی باسی کھڑے ہیں ان کے اطراف سپاہی بھالے اور تلواریں لیے مستعدی کے ساتھ کھڑے ہیں)

مہاراجہ: یہ لوگ کون ہیں اور کِس لیے آئے ہیں؟

سپاہی: مہاراجہ! یہ دونوں سفید نگر کے باسی ہیں۔ دور دیس سے روپیہ کما کر اپنے وطن جا رہے تھے، انصاف نگر سے گزرتے ہوئے شام ہوگئی تو یہ لوگ سرائے میں ٹھہر گئے اور رات کو کوئی ان کی گٹھری چُرا لے گیا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کی گٹھری میں بہت پیسے اور زیورات تھے۔

مہاراجہ: (فکرمندی کے ساتھ) ہُوں، تو انصاف نگر میں چوری ہوئی ہے۔

سپاہی: جی ہاں حضور چوری ہوئی ہے۔

امیر علی: حضور! ہم لُٹ گئے برباد ہوگئے (روتا ہے)

ہادی: ہماری محنت کی کمائی ذرا سی دیر میں چوری ہوگئی۔ اب ہم کِس دل سے اپنے گھروں کو جائیں۔

مہاراجہ: آپ لوگ اطمینان رکھیں، آپ کو گٹھری واپس مِل جائے گی۔

امیر علی: سرائے کے پاس انصار نام کا ایک آدمی رہتا ہے اسی نے ہم لوگوں کو سرائے کا پتہ بتایا تھا۔

ہادی : اسی نے سرائے میں روشنی کا انتظام کیا تھا۔ اور کھانا بھی کھِلایا تھا۔

امیر علی: حضور! مجھے پورا یقین ہے کہ چوری اسی نے کی ہے۔

مہاراجہ: (سپاہی سے مخاطب ہو کر) انصار نام کے آدمی کو حاضر کیا جائے۔

سپاہی: جی حضور! ابھی حاضر کرتا ہوں۔

(سپاہی تیز تیز قدموں سے جانے لگتا ہے اسی وقت ایک دوسرا سپاہی دوڑتا ہوا آتا ہے اور باہر جاتے ہوئے سپاہی سے کچھ کہتا ہے۔)

سپاہی: انصار نام کا ایک آدمی آپ کے پاس آیا ہے۔ اس کے سر پر گٹھری رکھی ہے۔

مہاراجہ: اسے حاضر کیا جائے۔

(سپاہی باہر جاتا ہے پھر واپس آتا ہے اس کے ساتھ انصار ہے وہ سر پر رکھی ہوئی گٹھری کو فرش پر رکھ دیتا ہے)

ہادی : ہاں یہ وہی آدمی ہے۔

امیر علی: حضور اسے اُلٹا لٹکوا دیجیے۔

مہاراجہ: (انصار سے مخاطب ہو کر) تو تم اپنی غلطی کا اعتراف کرنے آئے ہو؟

انصار: حضور میں تو کسی کی امانت لوٹانے آیا ہوں۔

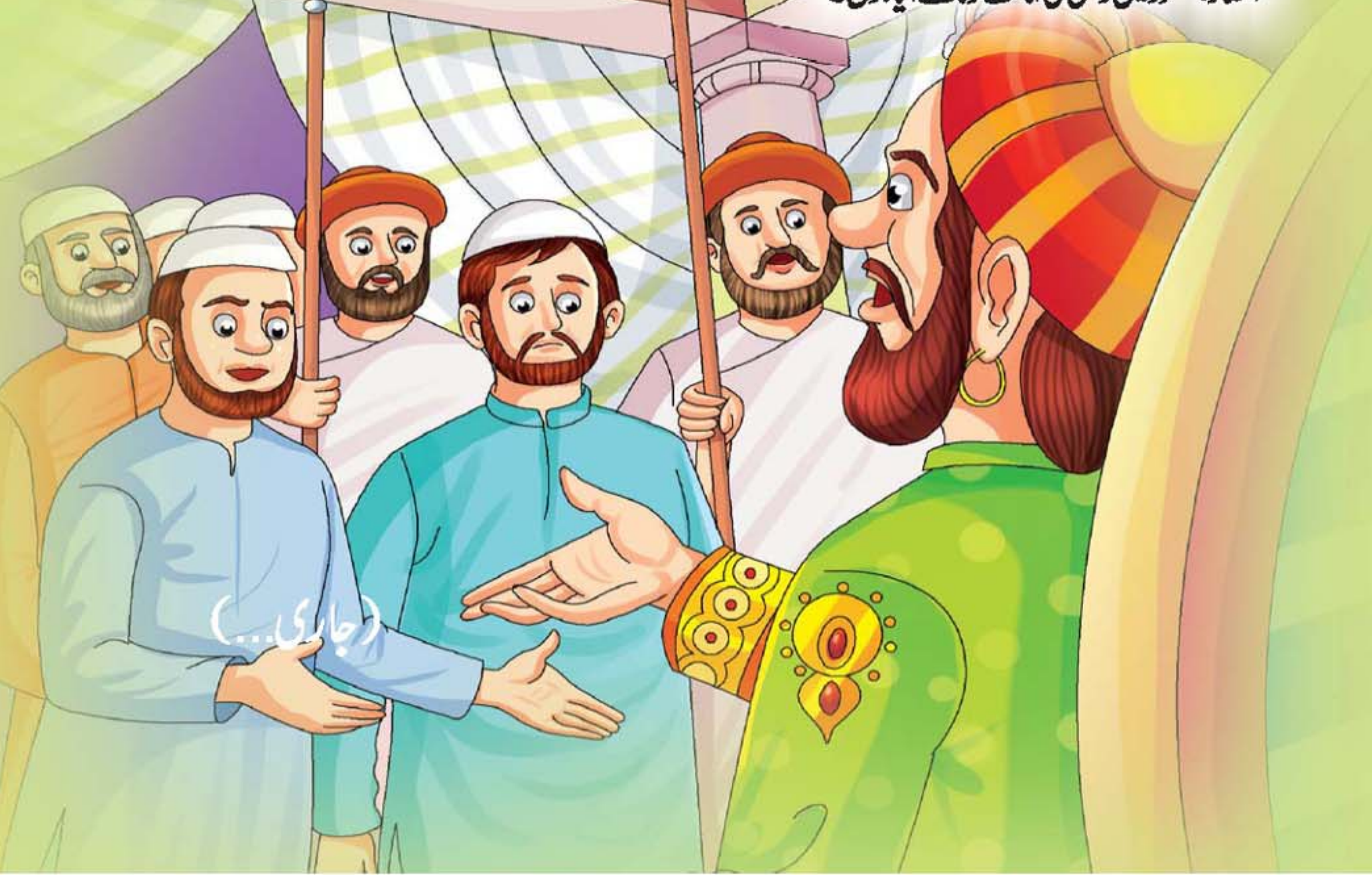

(جاری...)

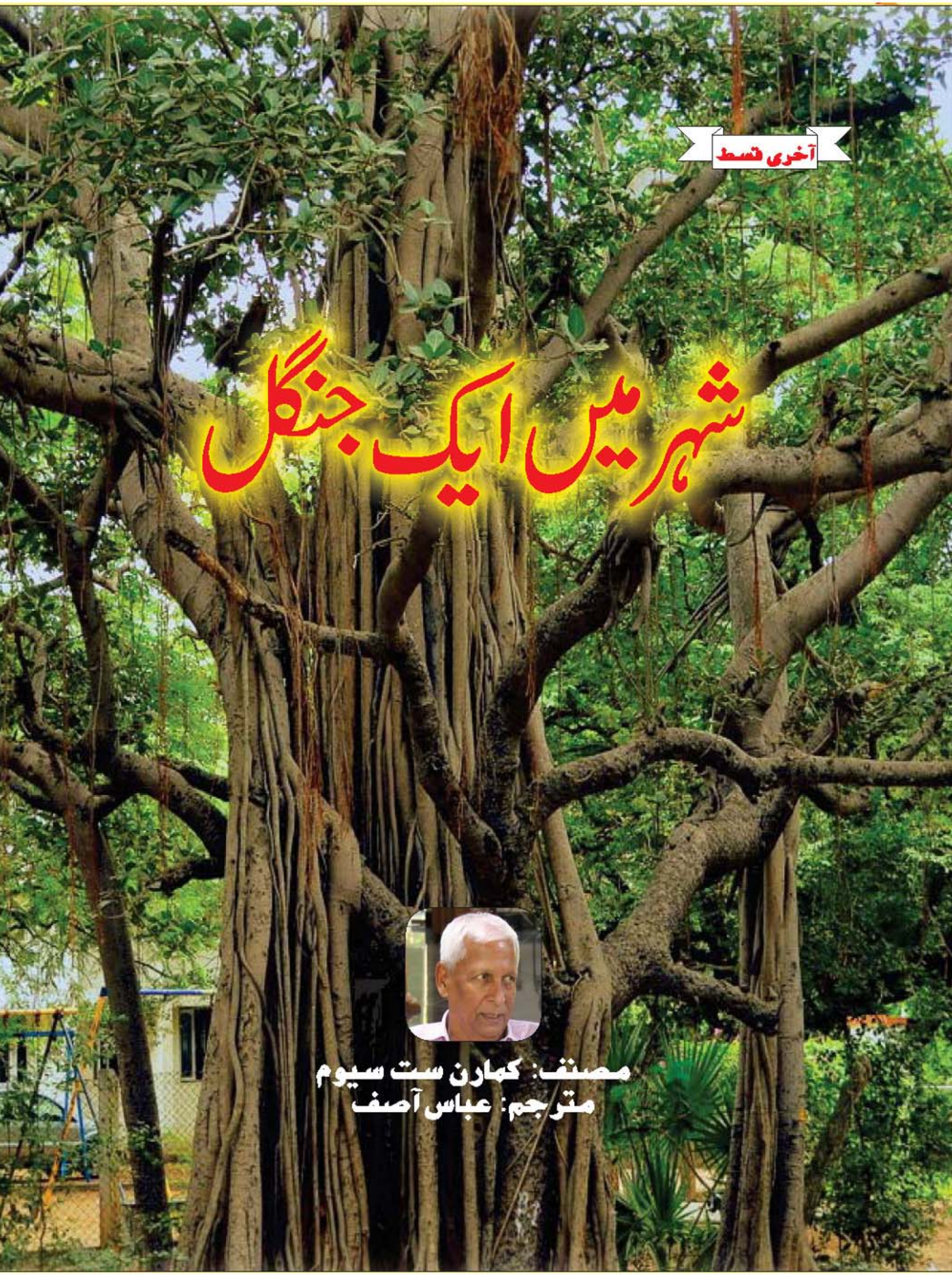

آخری قسط

شہر میں ایک جنگل

مصنف: کمارن ست سیوم
مترجم: عباس آصف

قسط وار

پیارے دوستو! آپ نے 'بچوں کی دنیا' میں کئی اچھے اور مشہور ناولوں کو پڑھا ہے۔ 'شہر میں ایک جنگل' جنگلوں کی دنیا، پیڑ پودوں اور مختلف حشرات الارض کی معلومات پر مبنی ایک دلچسپ سلسلہ ہے جس کے مصنف کمارن ستیہ سیوم ہیں جو ماحولیات اور جنگلاتی زندگیوں پر لکھتے رہے ہیں۔ ان کی کتاب میرین میمل آف انڈیا بھی کافی مقبول ہوئی تھی۔ انہوں نے 1990 میں یہ کتاب Forest in the City لکھی تھی۔ اِس کتب کو ماحولیات پر بچوں کے لیے لکھی گئیں کتابوں پر پہلا انعام بھی دیا گیا تھا۔ کمارن ستیہ سیوم آئی آئی ٹی مدراس (چننئی) میں سات برسوں تک رہے تھے۔ آئی آئی ٹی اس وقت 600 ایکڑ سے بھی زیادہ کے رقبے پر پھیلا ہوا تھا اور زیادہ تر گھنے جنگلوں پر مشتمل تھا۔ کمارن ستیہ سیوم نے ان جنگلوں میں مختلف تجربات کیے تھے اور ان تجربات کو ہی کتابی شکل دی تھی جسے 'بچوں کی دنیا' میں پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

اسی طرح کی ایک چھپکلی ہوسٹل کے باغ کی زمین میں ایک بل میں انڈے دیتی تھی۔ راستے کے بالکل بیچ میں اس نے یہ سوراخ کیا تھا جہاں اکثر و بیشتر سائیکل اور موٹر سائیکلیں آتی رہتی تھیں۔ جب میں نے چھپکلی کو دیکھا تو اس نے انڈے دینے شروع کردیے تھے اور میری موجودگی سے پریشان نہیں تھی۔ میں اسے اپنے ہاتھ سے چھو کر بھی دیکھ سکتا تھا اور شاید اسے اعتراض نہ ہوتا۔ یہ نایاب موقع تھا میں جلدی سے جا کر اپنا کیمرہ لے آیا تا کہ اس منظر کو ریکارڈ کرسکوں۔ کالے اور سفید رنگ میں، میں نے کچھ بہت اچھی تصویریں بنائیں۔

میں چھ یا سات سفید گول انڈے دیکھ سکتا تھا۔ شاید وہاں زیادہ انڈے ہوں لیکن چونکہ چھپکلی سوراخ کے بالکل سامنے بیٹھی تھی، میں ان انڈوں کی صحیح گنتی نہ کرسکا۔ چھپکلی نے انڈے دینے کا عمل بند کیا اور بل پر مٹی ڈالنی شروع کی۔ بل کے پاس ہی مٹی کا چھوٹا سا ڈھیر تھا جسے وہ کود کر وہاں آتی تھی۔ اپنی پچھلی ٹانگوں سے مٹی کو اس نے بل میں بھر دیا۔ اتنے بہترین طریقے سے اس نے مٹی سے اس جگہ کو پر کیا کہ وہاں یہ نشان باقی نہیں رہا جس سے یہ پتا لگے کہ انڈے کہاں دیے ہیں۔ جب چھپکلی اپنے کام سے مطمئن ہوگئی تو اس نے سر اٹھا کر میری طرف نظر ڈالی اور پودوں کی طرف بڑھ گئی۔

راستے کے بیچ میں ہونے کی وجہ سے اکثر اس بل کے اوپر سے گاڑیاں گزرتی تھیں۔ مجھے یہ فکر لاحق تھی کہ گاڑیوں کے بوجھ سے انڈوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے لیکن میں امید افزا نظروں سے یہ خیال رکھتا تھا کہ چھپکلی کے بچے کب انڈوں سے باہر نکلیں گے اور بل سے باہر آئیں گے۔ مجھے یہ نہ معلوم

ہوسکا کہ وقفہ خلافِ توقع زیادہ لمبا ہوسکتا تھا اور یہ وقفہ چند مہینوں تک پہنچ سکتا تھا۔ یہ بات اتنی چھوٹی مخلوق کے لیے عجیب سی لگتی ہے۔ خون چوسنے والی یا باغ کی چھپکلیاں آئی آئی ٹی میں بہت کم ملتی تھیں۔ باغ یا جھاڑی میں یہ نظر نہیں آتی تھیں ان کا یہ عجیب وغریب نام اس نظریے کے تحت ہے کہ یہ انسانوں کا خون چوستی ہیں۔ یہ غلط تصور اس بات سے پیدا ہوا ہے کہ ان کے حلق خون کی طرح سرخ ہیں۔ مادہ سے ملنے کے موسم میں نر چھپکلی (Calots) پرکشش رنگ کی ہوجاتی ہے اس وقت میں وہ خاص طور سے محتاط رہتی ہے۔ ان کے حلق اور ٹھوڑی سرخ ہوجاتے ہیں۔ ٹانگیں کالی ہوجاتی ہیں اور باقی تمام جسم پیلا ہوجاتا ہے۔ یہ معمول کے بھورے رنگ سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ یہ دلچسپ رنگوں کی اسکیم نر چھپکلی کو موقع دیتی ہے کہ وہ چھوٹی مادہ کو اپنی موجودگی سے آگاہ کردے۔ وہ ہمیشہ بے کیف زندگی گزارتی ہیں۔ اس کے علاوہ نر چھپکلی دیکھنے میں پرکشش نظر آتی ہے۔ ایک مرتبہ میں نے بھڑکیلے رنگوں کی چھپکلی کا ایک جوڑا دیکھا جو کھیل کھیل میں لڑ رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ کشتی لڑ رہے ہوں۔ جب میں نے آخری مرتبہ انھیں دیکھا تو وہ کسی جھاڑی میں ایک دوسرے کا پیچھا کررہے تھے۔ اس چھپکلی کے خاص رنگ عام طور سے ان کے ملنے کے موسم میں ہوتے ہیں اور جب یہ جذبات میں بھرے ہوتے ہیں تو گرگٹ کے سے رنگ بدلتے ہیں یا کوئی آدمی انھیں پکڑتا ہے تو ان کا رنگ بدل جاتا ہے۔ ایک چھپکلی جو زیادہ بہتر طریقے سے Calats کہلاتی اور جسے اپنا رنگ بدلنا بھی آتا ہے گرگٹ ہے۔ حقیقت میں گرگٹ کے رنگ بدلنے کی لیاقت کا کہیں جواب نہیں مل سکتا۔ دراصل بہت سے لوگ Calots کو گرگٹ سمجھ لیتے ہیں جو آسانی سے نظر نہیں آتی۔ گرگٹ باغ میں عام طور سے مل جاتے ہیں لیکن اتفاق سے ہی دکھائی دیتے ہیں کیوں کہ ان کا رنگ انھیں پوری طور سے چھپانے میں مدد کرتا ہے۔ وہ ان پتیوں سے مشابہ ہوتے ہیں جہاں بیٹھ کر وہ شکار کھیلتے ہیں اور یہ شکار عام طور سے چھوٹے کیڑوں کا ہوتا ہے۔

گرگٹ صرف اس وقت دکھائی دیتے ہیں جب وہ زمین پر سڑک پار کرنے کے لیے آتے ہیں۔ وہ بہت پرکشش ہوتے ہیں مگر بہت کمزور بھی ہوتے ہیں کیونکہ وہ بہت آہستہ آہستہ چل پاتے ہیں۔ وہ سبک خرامی سے جھٹکے لے، لے کر آگے بڑھتے ہیں۔ وہ اس بوڑھے آدمی کی طرح نظر آتے ہیں جو چلنے میں بہت احتیاط برتتا ہے۔ آئی آئی ٹی میں گزارے ہوئے سات سالوں میں، میں نے گرگٹ کو صرف ایک بار دیکھا ہے۔ یہ ایک ایسی نسل تھی جو سڑک پار کررہی تھی۔ سڑک پر تھوڑی سی بھیڑ تھی اور میں بہت بے چین تھا۔ باہر سڑک پر صاف ستھرا میدان تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ گرگٹ کسی گاڑی کے پہیوں کے نیچے کچلا جائے گا، میں نے اور جوزف نے اپنا فرض سمجھا کہ اسے سڑک کے پار لے جائیں۔ یہ گرگٹ بھی دوسرے گرگٹوں کی شکل کا تھا۔ اگرچہ اس کی پیٹھ کڑی نظر آتی تھی جو بوڑھے آدمی کی مثال پیش کرتی تھی۔ یہ بالکل ہرے رنگ کا تھا اور کافی تعداد میں کالے دھبے اس کے بدن پر تھے۔ ٹانگوں میں ایسی دھاریاں تھیں جیسے وہ فٹ بال کھیلنے کے موزے پہنے ہو۔ اس کے پیروں میں صرف دو انگلیاں تھیں۔ اس لیے عجیب لگتی تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ یہ انگلیاں اسے شاخوں کو مضبوطی سے پکڑنے میں مدد دیتی ہوں گی۔

دوسری دلچسپ خوبی جو گرگٹ کے اندر پائی جاتی ہے وہ اس کی جکڑنے والی دم ہے جو کسی شاخ یا بیل کو لپٹ جاتی ہے تاکہ وہ مضبوطی سے جما رہے۔ یہ بالکل ہاتھ کی جکڑ کی طرح ہوتی ہے۔ اس خوبی سے بھی گرگٹ کو کھلے میدان میں زندگی بسر کرنے کا موقع ملتا ہے۔

گرگٹ کی زبان بھی پرکشش ہوتی ہے جو اس کے جسم سے زیادہ لمبی ہوتی ہے۔ یہ اس کے منہ کے نچلے حصے میں لپٹی ہوئی پڑی رہتی ہے۔ اس کے اوپری سرے پر ایک چپکنے والی گدی ہوتی ہے جس میں بہت چھوٹے چھوٹے بال اور ہُک ہوتے ہیں۔ یہ ان چیزوں کا شکار کرنے میں مدد دیتے ہیں جسے گرگٹ کھاتا ہے۔

جب گرگٹ اپنے قریب کسی کیڑے کو دیکھتا ہے تو اپنی دونوں آنکھیں اسے غور سے دیکھنے میں لگا دیتا ہے اور بہت محتاط نشانہ لگاتا ہے تب وہ اپنا منہ کھولتا ہے اور زبان تیزی سے کیڑے کی طرف جاتی ہے جو اس کے سرے سے چپک جاتا ہے۔ اتنا ہی تیزی سے وہ کیڑے کو اپنے منہ کے اندر لے لیتا ہے۔ اس تیزی سے زبان کا باہر جانا اور اندر آنا زبان سے متعلق پٹھوں کی مدد سے ممکن ہوتا ہے۔ ان پٹھوں کو نسوں کے ذریعے خون فراہم ہوتا ہے اور ایک ربڑ کے فیتے کی طرح زبان کی آمد و رفت جاری رہتی ہے۔

گرگٹ، کیلوٹس اور دوسری چھپکلیاں مکمل طور سے بے ضرر اور غیر زہریلی ہوتی ہیں۔ ان کی انسان کے لیے بہت اہمیت ہے۔ چونکہ یہ صرف کیڑے مکوڑے کھاتی ہیں جن میں کافی تعداد وبائی کیڑوں کی ہوتی ہے۔

خاتمہ

گزشتہ ابواب میں آئی آئی ٹی کے جنگلات میں پائی جانے والے جنگلی چرند و پرند کی زندگی کے بارے میں جاننے

سے حاصل ہونے والی خوشی کے بارے میں بتایا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ عملی تجربے سے ان کے بارے میں جاننا ہمارے لیے کتنا دلچسپ تھا۔ میں نے ان پریشانیوں کا ذکر نہیں کیا ہے جو ہمیں مختلف موقعوں کے درمیان پیش آئیں۔ ہر شخص کو یہی احساس ہوگا کہ قدرت کی یہ جنت نشان دنیا جو آبادی سے اتنا قریب تر ہے وہ انسانی چہل پہل کے باعث کتنی خطرے میں ہوگی۔

اکثر ایسے منصوبے ہمارے سامنے آئے جن سے جنگل کے اس علاقے کا وجود خطرے میں پڑ سکتا تھا جہاں اتنے چرند و پرند رہتے تھے۔ مثال کے طور پر اکثر جنگل کے ایک بڑے علاقے کو راتوں رات آگ لگا دی جاتی تھی جس سے سانپوں کی مصیبت سے نجات مل جائے یا وہاں ناری کے درخت لگائے جاسکیں وہاں کی جھیل کو گہرا کیا گیا۔ اس میں بل ڈوزر وغیرہ کا استعمال کیا گیا تاکہ پانی کی حالت کو بہتر بنایا جاسکے اور وہاں بل ڈوزر لے جانے کے لیے کافی جنگل صاف کردیا گیا تاکہ بل ڈوزر کے لیے راستہ بنایا جاسکے۔ یہ سب تدابیر بہتری کے لیے اختیار کیے گئے تھے لیکن اس بات کو نظرانداز کردیا جاتا تھا کہ کس طرح کے گردونواح میں یہ کام کیا جارہا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جنگلی زندگی کے بارے میں اتنی اچھی معلومات حاصل ہوتی تھیں اس طرح جنگل صاف کرنے کا اثر جو بے سوچے سمجھے خیالات کی بنا پر عمل میں آتا تھا، جنگل کی زندگی پر فوری طور سے اثرانداز ہوتا تھا۔ جب جھیل کو گہرا کیا گیا تو کنارے نباتات اور سرکنڈے کے علاقے بھی صاف ہوگئے اور آنے والے سالوں میں Bitterns, Rails or waders کہیں نظر نہیں آتے تھے جب کہ ان کی وجہ سے جھیل میں ہمیشہ چہل پہل رہتی تھی۔ اس چہل پہل کو واپس آنے میں اب کئی سال لگیں گے۔

اس جنگلی علاقے کو اور طریقوں سے بھی نقصان پہنچتا رہتا تھا۔ درخت اکثر و بیشتر کاٹے جاتے رہتے تھے اور

تالابوں میں مٹی بھردی جاتی تھی تاکہ زیادہ مکانات اور مشاہدہ گاہیں بنائی جاسکیں۔ کھیل کے میدان اور نئی سڑکیں بن سکیں۔ کوئی ایسا نہ تھا جو اس قدرتی دنیا میں دخل اندازی کو روکنے کے لیے آواز اٹھاتا اور جنگلی جانوروں کے اس علاقے کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ کسی شخص کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ اس علاقے کے اندر نایاب اور چنندہ چرند وپرند کی کتنی بڑی دنیا آباد ہے، لہٰذا جب جنگل صاف ہونے کے بعد چڑیاں اور جانور وہاں سے غائب ہوگئے تو کسی کو بھی اس کے لیے پچھتانے یا سوچنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

یہ حالت بالکل اسی طرح کی تھی جیسا کہ دنیا بھر کے ہر علاقے میں ہو رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے مقاصد کو لے کر یہ قدرتی جنگل اس طرح صاف ہو جاتے تھے کہ پھر ان کا آباد ہونا ناممکن تھا۔ کچھ عرصے سے ہماری زمین کے زمیندار تیزی سے ختم ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے سمندر اور ہوا زہریلی ہوتی جارہی ہے۔ جانور کم ہوتے جارہے ہیں، ان کی رہنے کی جگہیں شہروں اور فیکٹریوں میں تبدیل ہوتی جارہی ہیں۔ اس بات کی کسی کو سمجھ نہیں کہ یہ عمل زیادہ عرصے جاری نہیں رہ سکے گا یا یہ کہ یہ ایک ایسی تباہی لائے گا جسے ختم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک ایسے اندازِ زندگی کے لیے خطرہ ہے، جس میں چھوٹی سے چھوٹی مخلوق کا اپنا ایک کردار ہے۔ بدقسمتی سے یہ دنیا ایک تجارتی دنیا ہے اور وہ ہر چیز جسے روپے کے پیمانے سے نہیں ناپا جاسکتا، اس کی حفاظت کے لیے کسی کو فکر نہیں ہے۔

غالباً ناامیدی کی کوئی وجہ نہیں ہے اور دنیا کی بدلتی ہوئی تصویر اتنی دھندلی نہیں ہے۔ موجودہ دور میں ہر جگہ کے لوگ بیدار ہو رہے ہیں اور ہمارے اس بیکار کے عمل اور تنگ نظری کو برا سمجھا جارہا ہے اور اس کی اصلاح کی کوشش ہو رہی ہیں۔ اس بات کی عام کوشش ہے کہ جنگلات کو قائم رکھا جائے اور ان کی بقا کے لیے قدم اٹھائے جائیں۔ جنگل کی زندگی اور ان کی رہائش گاہیں محفوظ رکھی جائیں۔ یہ تصور بھی ابھر رہا ہے کہ ہم اس کرۂ ارض پر رہنے والے ہزاروں جانوروں میں سے ایک ہیں جو ان کے ساتھ ساتھ اس زمین پر زندگی گزار رہے ہیں۔ ابھی وقت ہے جب ہم اس تباہ کن راستے کو چھوڑ کر مکمل تباہی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھ سکیں۔

میں اسے جنگل کی زندگی کے تحفظ کی ایک علامت سمجھتا ہوں کہ آئی آئی ٹی کے جوانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت کیمپس کی قدرتی دولت کو محفوظ رکھنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ اس جماعت کے لوگوں کی کوشش ہے کہ یہاں کے لوگ چرند و پرند کی زندگی سے زیادہ واقف ہوں اور انھیں قریب سے دیکھنے کی کوشش کریں۔

امید ہے کہ اس جماعت کی کوششوں سے فوری اثر ہوگا اور جنگل ختم ہونے سے بچ جائیں گے۔ ہرن اور چیتل انسان کے ساتھ اپنے عجیب وغریب رشتوں کو قائم رکھ سکیں گے اور بہت سے دوسری نسل کے جانور اور پودے جو وہاں پائے جاتے ہیں اس طرح باقی رہیں گے اور زیادہ لوگوں کی دلچسپی کا باعث بن سکیں گے جو آج کی جدید زندگی میں اس بڑی دنیا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

■

ماخذ: شہر میں ایک جنگل، **مصنف:** کمارن ست سیوم، **مترجم:** عباس آصف، **مصور:** بی جی ورما، **ناشران:** چلڈرن بک ٹرسٹ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، بچوں کا ادبی ٹرسٹ

محمد عتیق الحنفی

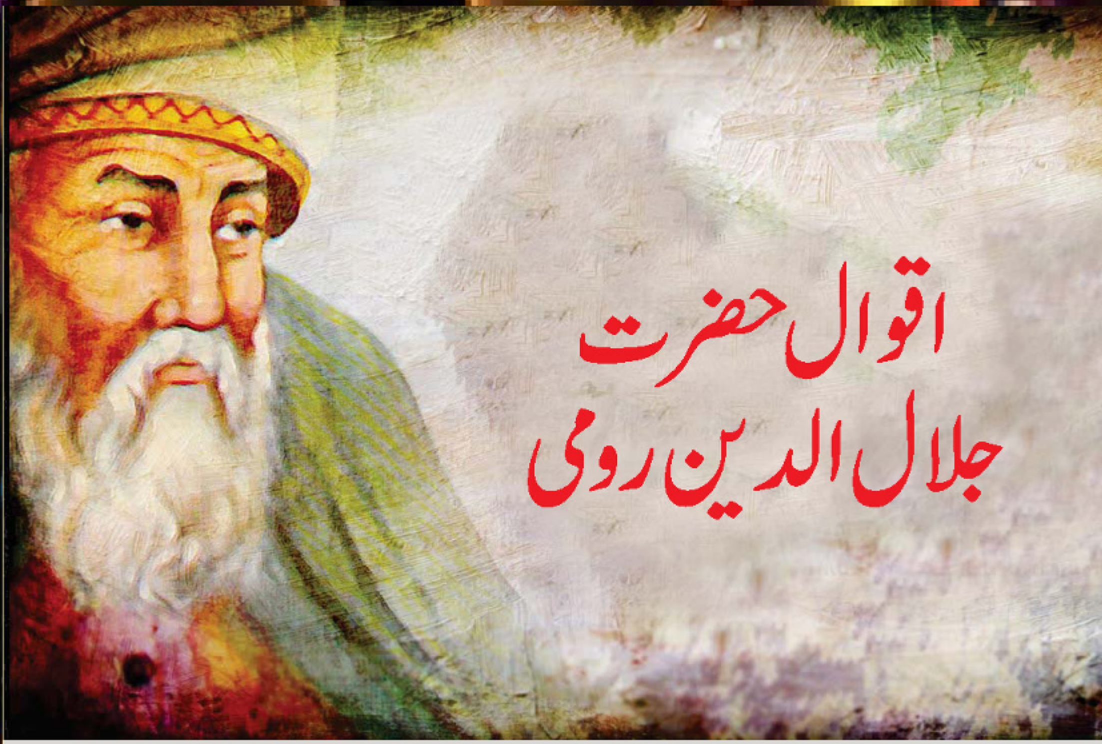

اقوال حضرت جلال الدین رومی

- جب انسان کی آنکھوں سے ندامت کے آنسو بہتے ہیں تو اس پر رب کی رحمت برستی ہے۔
- ماں باپ کے ساتھ آپ کا سلوک ایسی کہانی ہے جو لکھتے آپ ہیں، لیکن آپ کی اولاد آپ کو پڑھ کر سناتی ہے۔
- عقل کو خواہش پر فضیلت حاصل ہے، کیونکہ عقل زمانے کو تمھارے ہاتھوں میں دے دیتی ہے، جبکہ خواہش تمھیں زمانے کا غلام بنا دیتی ہے۔
- تھوڑی دیر کے لیے قبرستان جا اور خاموشی سے بیٹھ اور ان بولنے والوں کی خاموشی دیکھ۔
- دل ایک آئینہ ہے۔ اگر وہ بدی سے پاک ہے تو اس میں خدا بھی نظر آسکتا ہے۔
- دانائی کا تعلق بالوں کی سفیدی سے نہیں، عقل اور تجربے سے ہے۔ دل سیاہ ہو تو داڑھی کے سفید بالوں کی کیا وقعت۔
- دوست وہ ہے جو تمھیں اس وقت پسند کرے جب تم کچھ بھی نہ ہو۔
- اپنی آواز کے بجائے اپنے دلائل کو بلند کیجیے، پھول بادل کے گرجنے سے نہیں، برسنے سے اگتے ہیں۔
- عمدہ ترین کلام وہ ہے جو الفاظ کے اعتبار سے تو کم ہو، مگر معنی کے اعتبار سے زیادہ ہو۔
- کل میں چالاک تھا، اس لیے دنیا بدلنا چاہتا تھا، آج میں عقلمند ہوں اس لیے اپنے آپ کو بدلنا چاہتا ہوں۔

مرسلہ:
محمد عتیق الحنفی
ملت نگر، نزد حضرت عمر فاروقؓ، اردو پرائمری اسکول، ناندیڑ (مہاراشٹر)

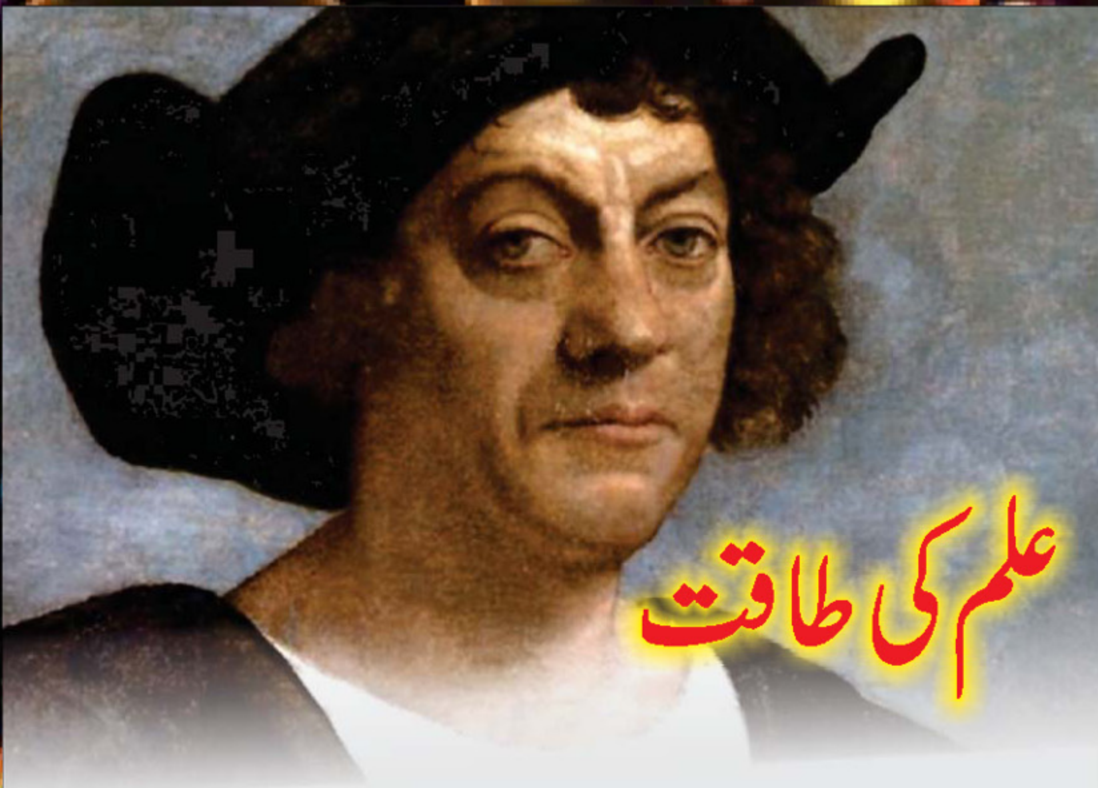

علم کی طاقت

کولمبس جس نے امریکہ دریافت کیا تھا۔ ایک جہاز راں کا بیٹا تھا۔ ایسے لوگوں کو ستاروں کی چال بخوبی معلوم ہوتی ہے۔

ایک دن کولمبس کو خیال آیا کہ سمندر کا دوسرا کنارہ بھی دیکھنا چاہیے۔ کیا پتہ ادھر بھی کوئی ملک ہو۔ چنانچہ شاہی دربار کی امداد سے وہ جہاز لے کر بحری سفر پر روانہ ہوا اور ستاروں کی رہنمائی سے امریکہ تک جا پہنچا۔

آج تو امریکہ علم اور دولت کا کان بنا ہوا ہے، مگر اس وقت وہاں جتنے بھی جنگلی لوگ رہتے تھے، بالکل وحشی اور طرح طرح کے وہموں میں پھنسے ہوئے تھے۔ کولمبس نے ان پر حکومت جمانی چاہی تو انھوں نے مقابلہ کیا۔ کولمبس کے ساتھی تعداد میں کم تھے اور لڑائی میں اتر نہ سکتے تھے۔

آخر سوچتے سوچتے اسے یاد آگیا کہ کل سورج گرہن ہوگا۔ اس خیال سے اس نے وحشیوں کے سردار کو بلا کر کہا۔ دیکھو! اگر ہماری فرماں برداری نہ کرو گے تو میں سورج کو حکم دوں گا اور وہ تمھیں جلا کر خاک سیاہ کردے گا۔

اس وقت تو وحشی چپکے سے سنتے رہے مگر دوسرے دن جب سورج گرہن لگنا شروع ہوا تو سخت گھبرائے غرض کولمبس کو جادوگر اور کراماتی سمجھ کر اس کے پاس حاضر ہوگئے اور اطاعت قبول کرلی۔

"علم میں اتنی طاقت ہے کہ جو بڑی فوج نہ کرسکی وہ علم کے نکتے نے ذرا سی دیر میں کردی۔"

■

مرسلہ: عارفہ ناز راجو ملا
درجہ: ششم، جی یو ایچ پی اسکول، مہاراشٹر

خیر النسا اے مکاندار

قلم

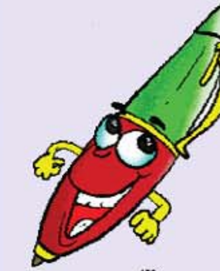

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے شمار عظیم نعمتوں میں قلم کا مقام و مرتبہ مسلم ہے۔ قلم اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ تخلیق ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قلم ہی کے ذریعے کائنات کی تقدیر لکھی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قلم عطا کر کے اس پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ قلم ہی سے انسانی قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ قلم کے ذریعے انسان اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ قلم کی وجہ سے جہاں دنیا میں کئی جنگیں لڑی گئیں، وہیں قلم ہی کے ذریعے امن وامان، سکون وچین، محبت والفت، اخلاص و وفاداری اور جذبۂ حب الوطنی جیسے پاکیزہ جذبات اور اعلیٰ اقدار کا قیام بھی عمل میں آیا ہے۔

"قلم کی طاقت تلوار سے بڑھ کر ہے۔" قلم سے ہی انسان کو عظمت، شہرت، عزت ملتی ہے۔ قلم محبت کی روشنی پھیلاتی ہے۔ یہی ادب کا سبق سکھاتی ہے۔ آدمی کو انسان بناتی ہے۔ جو کوئی بھی انسان قلم کا صحیح استعمال کرنے میں ماہر ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا۔ قلم ہی انسان کو تہذیب سکھاتا ہے۔ قلم ہی ماضی کی تاریخ بتاتا ہے۔ قلم شعلہ ہے، قلم شبنم ہے، قلم نشتر ہے (زخم چیرنے والا اوزار) اور قلم مرہم بھی ہے۔

■

Khairunnisa A Makandar
Asistant Teacher
Govt UHPS No: 2
Hailhongal (Karnataka)

ایمن الطاف حسین عطار

اپنی محنت کی کمائی

لوگوں نے مشہور سخی حاتم طائی سے پوچھا کہ تم نے خود اپنے سے زیادہ باہمت اور سخی آدمی بھی کبھی دیکھا ہے۔ حاتم نے جواب دیا ہاں۔ دیکھا ہے۔ ایک دن میں نے عرب کے امیروں اور غریبوں کی دعوت کی اور کھانے کے لیے میں نے چالیس اونٹ ذبح کرائے۔ جب کھانا تیار ہو رہا تھا تو اس وقت میں ضرورت سے باہر جنگل کی طرف گیا۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک لکڑہارا سوکھی لکڑیاں جمع کر کے ان کا گٹھر باندھ رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا تو آج حاتم طائی کا مہمان کیوں نہیں بن جاتا جس نے دعوت کا بڑا انتظام کیا ہے، اور تمام لوگ اس کے دسترخوان پر جمع ہیں۔ اس نے جواب دیا۔

جو شخص اپنی محنت کی کمائی سے روٹی کھاتا ہے وہ حاتم طائی کا احسان نہیں لیتا۔ انصاف کی بات یہ ہے کہ میں نے اس کو اپنے سے زیادہ ہمت والا اور بہادر سمجھا۔

■

Aiman Altaf Husain Attar
GUHP S No2 Bailhungal (Karnataka)

ثامین محمد فاروق

بنوموسیٰ شاکر

پرانے زمانے کی بات ہے۔ بغداد میں ایک شخص بنوموسیٰ شاکر رہتا تھا۔ وہ طاقتور تھا۔ وہ ڈاکو بھی تھا اور نمازی بھی۔ وہ عشا کی نماز کے بعد ڈاکوؤں کے گروہ میں شامل ہوتا اور چوری کرتا۔ صبح ہوتے ہی صبح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھا کرتا تھا۔

ایک دن رات میں ڈاکوؤں میں شامل ہونے جارہا تھا۔ اسی وقت پولیس نے اسے پکڑ لیا، کیونکہ اس گروہ سے سب پریشان تھے۔ جب بنوموسی شاکر کو عدالت میں قاضی صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تو سب لوگ حیران تھے کوئی بھی یہ ماننے کو تیار نہیں تھا کہ وہ ڈاکو ہے لیکن بنوموسیٰ کو یقین تھا کہ اسے سزا ہوگی لیکن خدا کو یہ منظور نہیں تھا۔ قاضی صاحب نے اسے چھوڑ دیا کیونکہ اس کے خلاف کوئی بھی گواہ نہیں تھا۔ بنو موسیٰ سارا دن سوچتا رہا کہ اسے سزا کیوں نہیں ملی۔

آخر کار وہ سب چھوڑ کر نیک قابل انسان بن گیا۔ کہا جاتا ہے کہ جیومیٹری اس کی ایجاد ہے۔ مشین گھڑی بھی اس نے ایجاد کی۔

■

Sameen Maldar
Class: VIII, Urdu Primary School
Madarsa No: 2
Bailhongal (Karnataka)

شیخ نور جہاں عبد الغفار

اقوالِ زرّیں

* مصیبت سے مت گھبراؤ، کیونکہ ستارے اندھیرے میں ہی چمکتے ہیں۔
* لوگوں سے اس طرح میل جول رکھو کہ اگر تم زندہ رہو تو تم سے ملنا چاہیں اور اگر مرجاؤ تو تمھارے کھونے کا غم کریں۔
* زندگی کا ایک مقصد بنا لو اور پھر ساری طاقت اس کے حصول پر لگا دو۔ تم یقیناً کامیاب ہوگے۔
* زبان درست ہو تو دل بھی درست ہوجاتا ہے۔
* جو شخص علم رکھتا ہے وہ اس پر عمل نہیں کرتا وہ اس بیمار کی مانند ہے، جس کے پاس دوا ہے مگر وہ استعمال نہیں کرتا۔
* انسان بھی عجیب ہے۔ دعا کے وقت سمجھتا ہے کہ اللہ بہت قریب ہے اور گناہ کرتے وقت سمجھتا ہے کہ اللہ بہت دور ہے۔

■

Shaikh Noor Jahan Abdul Ghaffar
Hayat Colony, Pathri
Distt: Parbhani - 431506 (Maharashtra)

آپ کا دماغ کتنا تیز ہے؟

دوستو! یہ دونوں تصویریں دیکھنے میں تو ایک جیسی لگتی ہیں لیکن تصویروں کی نقل بنانے والے سے ایک دو نہیں بلکہ دس غلطیاں ہوگئی ہیں۔ کیا آپ ان غلطیوں کو تلاش کر سکتے ہیں؟ 10 منٹ میں اگر آپ نے تمام غلطیاں تلاش کر لیں تو سمجھیے کہ واقعی آپ کا دماغ بہت تیز ہے۔

■ جوابات اسی شمارے میں تلاش کریں

ہنسی کے غبارے

راہ گیر: (بھکاری سے): "بابا! تم بھیک کیوں مانگتے ہو؟"

بھکاری: "یہ دیکھنے کے لیے کہ اس دنیا میں کتنے کنجوس ہیں۔"

ایک صاحب کو معلوم ہوا کہ ایک طوطا بازار میں بکنے کے لیے آیا ہے، جو تین زبانیں جانتا ہے۔ وہ صاحب آزمانے کے لیے گئے اور جاتے ہی طوطے سے دریافت کیا: "ہاؤ آر یو؟"

طوطا بولا: "فائن، تھینک یو۔"

وہ صاحب دوبارہ بولے: "کیا حال ہے؟"

طوطا بولا: "ٹھیک ہے بھئی۔"

ان صاحب نے تیسری دفعہ پوچھا: "کی حال اے؟"

اُس پر طوطا برہم ہوتے ہوئے بولا: "او بیوقوفا حال ہی پوچھی جائے گا کہ کوئی ہور وی گل کرے گا۔"

کرکٹ ٹیسٹ میچ ہو رہا تھا۔ اسٹیڈیم کے گیٹ پر ایک لڑکا پاس دکھا کر اندر جانے لگا تو گیٹ کیپر نے کہا: "یہ تمھارا پاس تو نہیں ہے۔"

لڑکے نے جواب دیا: "یہ میرے والد صاحب کا ہے۔"

گیٹ کیپر نے پوچھا: "وہ کیوں نہیں آئے؟"

لڑکے نے جواب دیا: "وہ بہت مصروف ہیں۔"

گیٹ کیپر نے پوچھا: "وہ کیا کر رہے ہیں۔"

بچے نے جواب دیا: "اپنا پاس تلاش کر رہے ہیں۔"

ایک صاحب گہری نیند سو رہے تھے کہ آدھی رات کو اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ جب انھوں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے آواز آئی: "آپ کو جو تکلیف ہوئی، اس کی معافی چاہتا ہوں، بات یہ ہے کہ میں آپ کے پڑوس میں رہتا ہوں اور آپ کا کتا ساری رات بھونکتا رہتا ہے، جس کی وجہ سے مجھے نیند نہیں آتی۔ براہِ مہربانی اس کا کچھ علاج کیجیے۔" یہ کہہ کر انھوں نے فون بند کر دیا۔

اگلی رات کو اسی وقت دوسرے صاحب نے اپنے پڑوسی کو ٹیلیفون کیا اور کہا: "آپ کو جو تکلیف ہوئی، اس کی معافی چاہتا ہوں، بات یہ ہے کہ وہ کتا میرا نہیں ہے۔"

ایک دیہاتی شہر میں آیا اور ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد جب اس نے میٹر دیکھا تو اس میں 200 روپے بنے تھے۔ جبکہ اس کے پاس صرف 150 روپے ہی تھے۔

دیہاتی گھبرا کر بولا: "روکو، روکو، گاڑی واپس لے چلو اور جہاں پر 150 روپے بنے تھے، مجھے وہیں اتار دو۔"

سید منیب محی الدین

امجد کی بہادری

ہمارے اسکول میں ماسٹر صاحب نے کہا" پیارے بچو! اس مہینے میں ہمارے اسکول سے سمر ٹرپ (Summer Trip) جا رہی ہے۔ تو امجد نے کہا" سر یہ ٹرپ کہاں جا رہی ہے؟ تو ماسٹر صاحب نے کہا" امجد بیٹا ٹرپ ممبئی جا رہی ہے۔ امجد نے کہا سر ممبئی میں کہاں؟ ماسٹر صاحب نے کہا ممبئی میں گیٹ وے آف انڈیا جا رہی ہے۔ کلاس کے سارے طلبا خوشی سے جھوم اٹھے، سر نے کہا آپ کو پتا ہے کہ ہم ممبئی میں کہاں رکنے والے ہیں۔ سب بچے بولے نہیں۔ ہم تمام لوگ گیٹ وے آف انڈیا کے سامنے ہوٹل تاج میں ٹھہرنے والے ہیں تو سب بچے اپنے ابو امی کو گھر پر اطلاع دیں اور اجازت لے لیں۔ تمام طلبا نے کہا ٹھیک ہے سر۔ ماسٹر صاحب کلاس سے چلے گئے پھر گھنٹی بجی اسکول کی چھٹی ہو گئی۔

دوسرے دن تمام بچوں نے اپنے اپنے امی اور ابو سے اجازت لے کر ماسٹر صاحب کے پاس خوشی خوشی اپنے اپنے نام لکھوا دیے۔ پھر ماسٹر صاحب نے اس ٹرپ کی تاریخ 5 رمئی مقرر کی۔ 5 رمئی کو تمام بچے اپنا اپنا سامان سفر لے کر اسکول کے گراؤنڈ میں کھڑے تھے۔ ماسٹر صاحب نے کہا بچو! ابھی تھوڑی دیر میں بس آئے گی اور بذریعہ بس ہم تمام لوگ ممبئی کے لیے روانہ ہو گئے۔ اگلے روز صبح ہم ممبئی پہنچ گئے۔ دوسرے دن 'گیٹ وے آف انڈیا' پہنچ گئے۔ تمام بچوں کو ناؤ میں بٹھایا

گیا اور سمندر کی تفریح کروائی گئی۔ تمام بچے خوش تھے اور خوب مزے کر رہے تھے۔ واپسی میں جب تمام بچے ناؤ سے اتر رہے تھے تو شاہد اچانک پانی میں گر گیا۔ امجد ابھی ناؤ میں ہی تھا جیسے ہی امجد نے دیکھا کہ شاہد پانی میں گر گیا۔ اس نے فوراً ربڑ کا ایک ٹیوب ناؤ میں سے لیا اور پانی میں بے خوف وخطر چھلانگ لگا دی۔

شاہد کو تیرنا نہیں آتا تھا وہ پانی میں غوطے لگا رہا تھا اور ڈوبنے لگا تو امجد نے تیرتے تیرتے اپنی جان پر کھیل کر بڑی ہی بہادری سے شاہد کو پکڑ لیا۔ ماسٹر صاحب اور سارے اسکول کے بچے سانس روک کر یہ منظر دیکھ رہے تھے کہ اب کیا ہوگا سارے لوگ پریشان تھے۔ چند مچھیروں نے بھی پانی میں چھلانگ لگا دی۔ ماسٹر صاحب اور سارے بچے گھبرا گئے اتنے میں امجد نے پانی میں سے آواز دی۔ سر سر شاہد کو میں نے ڈوبنے سے بچا لیا ہے۔ امجد شاہد کو پکڑ کر کنارے تک لایا اور ماسٹر صاحب اور بچوں نے ان دونوں کو سہارا دے کر پانی سے باہر نکال دیا۔ سارے بچوں کی جان میں جان آگئی۔ سر نے امجد کے اس بہادری اور عقلمندی کے کارنامے پر اسے شاباشی دی اور اسے انعام سے بھی نوازا۔

■

Syed Muneeb Mohiuddin (Saadi)
Class (V), Dr. APJ Abdul Kalam
Primary School, Parbhani (Maharashtra)

ولیمہ صدف شمشیر خان، درجہ: ہشتم
ضلع پریشد اردو اسکول نیم گاؤں، ناندورہ، بلڈانہ، مہاراشٹر

انصاری ثانیہ شہاب الدین، مالیگاؤں، ناسک، مہاراشٹر

عمیلا کریم، درجہ: ششم، نیم گاؤں، ناندورہ، مہاراشٹر

عدنان بیگ مختار بیگ، ٹریڈ پی اردو ڈیجیٹل اسکول کرہ
چندن پور بازار، امراوتی، مہاراشٹر

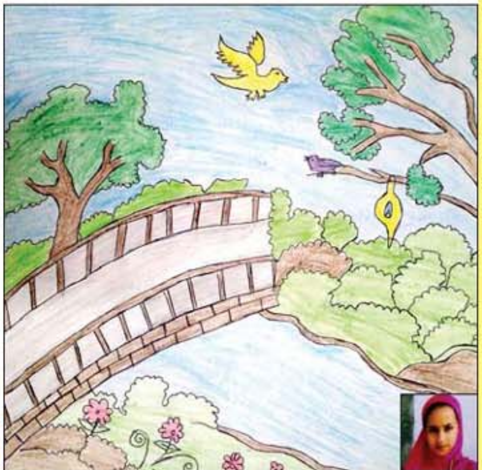

اشفیہ انجم وحید خان، درجہ: ہشتم
ضلع پریشد اردو ڈیجیٹل اسکول کرہ، چندن پور بازار، امراوتی، مہاراشٹر

رانی افضل لوہار، ضلع پریشد اردو اسکول، سبھاش نگر، مہاراشٹر

ننھے فنکار

بریرہ ماہم ڈاکٹر عبدالستار قریشی، درجہ: ہفتم
مولانا آزاد اردو پرائمری اسکول، ناندورہ، بلڈانہ، مہاراشٹر

محمد عفان محمد اسحاق، درجہ: پنجم، ضلع پریشد اردو مڈل اسکول کرہ، دیشگھ، مہاراشٹر

وجاہت ملک اخلاق حسین، زیڈ پی اردو ڈیجیٹل اسکول کرہ
چندن پور بازار، امراوتی، مہاراشٹر

انوشہ ثمن صابر شاہ، عبدالرشید اردو اسکول، آکوٹ ضلع آکولہ، مہاراشٹر

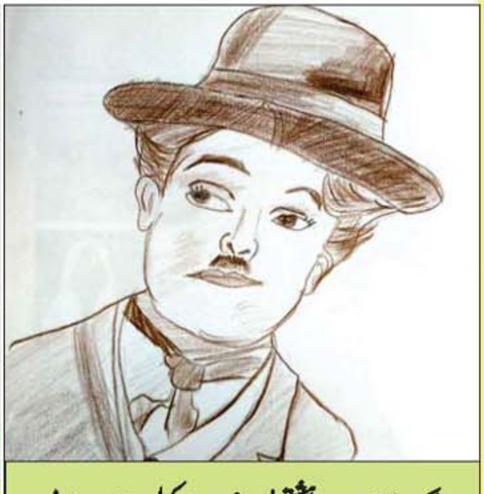

فلک ناز احمد، درجہ ہشتم بی، سنوے اسکول، رامپور، یوپی

مدیحہ مسکان عمر دراز حسین، درجہ: ہشتم، ضلع پریشد اردو ڈیجیٹل اسکول، کرہ دیشگھ، امراوتی، مہاراشٹر

facebook اردو فیس بک

'بچوں کی دنیا' ماہ اپریل 2019 کے شمارے میں 'کوڑی' کے بارے میں دی گئی معلومات اچھی لگی۔ ابو جب بھی کانفرنس یا سیمینار میں جاتے ہیں تو یہ رسالہ ضرور لے کر آتے ہیں۔ جنوری کے مہینے میں اپنے دو چھوٹے بھائیوں کے ساتھ بک فیئر گھومنے گئی تھی تو کونسل کے اسٹال سے چند کتابیں اور رسالے ابو نے خریدے تھے۔ اسکولی مصروفیت کی وجہ سے جنوری کے شمارے کے بارے میں کچھ نہیں لکھ پائی۔ لیکن اس کے بھی مشمولات اچھے تھے۔ اب ہم تینوں بھائی بہن اس رسالے کو شوق سے پڑھتے اور سنتے ہیں۔ چھوٹا بھائی اسجد ابھی دوسری جماعت میں پڑھتا ہے۔ وہ اس رسالہ کو پڑھ نہیں پاتا وہ صرف سنتا ہے، لیکن اکرم پڑھ لیتا ہے۔ شکریہ کہ آپ نے بچوں کے لیے اتنا اچھا رسالہ دیا۔

طوبی فیروز، تمہیدیہ کلیہ عائشہ صدیقہ، جوگائی جامعہ نگر، نئی دہلی

میں 'بچوں کی دنیا' ہر ماہ خرید کر پڑھتی ہوں۔ مجھے یہ رسالہ بہت پسند ہے۔ میں اس کو ہر مہینے پابندی سے پڑھتی ہوں۔ مجھے اس کی نظمیں، ہنسی کے غبارے، کہانیاں اور ننھے فنکار کے نام سے کالم بھی اچھا لگتا ہے۔ اس میں طلبا کی آپ کے رسائل کے ذریعے جو ہمت افزائی ہوتی ہے وہ بھی مجھے بہت پسند ہے۔ اللہ تبارک تعالیٰ اس کو دن دُگنی اور رات چوگنی ترقی عطا کرے۔

شائستہ پروین نذیر احمد، درجہ ہفتم، مولانا ابوالکلام آزاد اردو ہائی اسکول، مہاراشٹر

میرا نام عروج فاطمہ بنت صابر رضوی ہے۔ 'بچوں کی دنیا' مدرسے کے استاد صاحب نے مجھے جاری کرایا۔ اس کے رنگین صفحات بہت اچھے لگتے ہیں۔ ہم بھائی بہن حسنین، ام ہانی، ملت سب مل کر پڑھتے ہیں۔ میری پھوپھی جان کو اردو اچھی آتی ہے۔ وہی ہمیں اردو بتاتی پڑھاتی ہیں۔

عروج فاطمہ، کھڑک پورہ آروی شہر، مہاراشٹر

میں آشنا سحر، میرے ابو جان کا نام عبدالمتین ہے۔ میں مدرسہ جاتی ہوں۔ میری اپی تحسین فاطمہ اور مجھے میرے مدرسے کے حضرت اردو، عربی پڑھاتے ہیں۔ ہم کو یہ نعرہ یاد ہوگیا ہے آدھی روٹی کھایئے، بچوں کو پڑھایئے، بچوں کی دنیا کی کہانیاں بہت اچھی لگتی ہیں۔

آشنا سحر، کھڑک پورہ آروی شہر، مہاراشٹر

میرا نام محمد نورانی ہے۔ مجھے 'بچوں کی دنیا' بہت پسند ہے۔ میری امی جان مجھے اردو سکھاتی ہیں۔ ہم کو پہلا کلمہ ترجمہ کے ساتھ اور اردو انگریزی میں دس تک گنتی یاد ہے۔ میں کھانا کھانے سے پہلے بسم اللہ شریف پڑھتا ہوں۔ یہ سب میری پیاری امی جان نے سکھایا ہے۔

محمد نورانی، کھڑک پورہ آروی شہر، مہاراشٹر

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

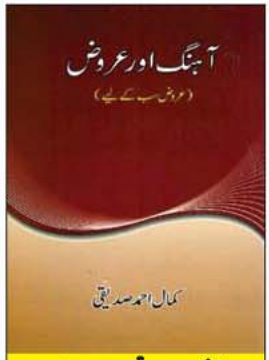

صفحات:275، قیمت:125 روپے

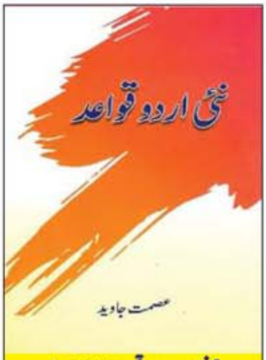

صفحات:334، قیمت:140 روپے

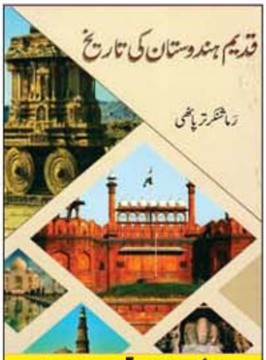

صفحات:581، قیمت:345 روپے

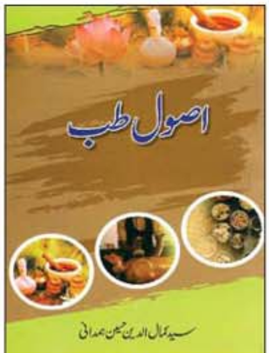

صفحات:580، قیمت:170 روپے

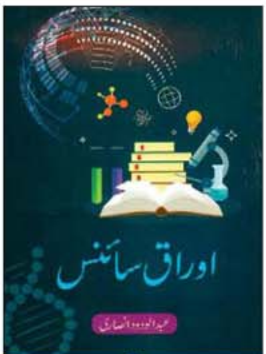

صفحات:188، قیمت:105 روپے

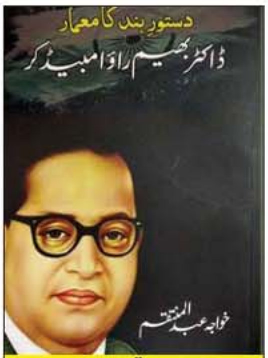

صفحات:155، قیمت:70 روپے

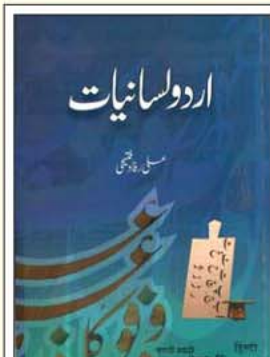

صفحات:252، قیمت:110 روپے

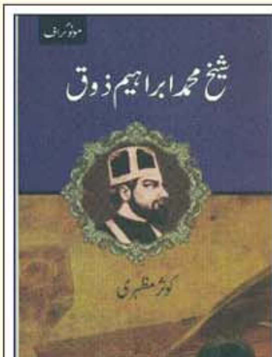

صفحات:109، قیمت:72 روپے

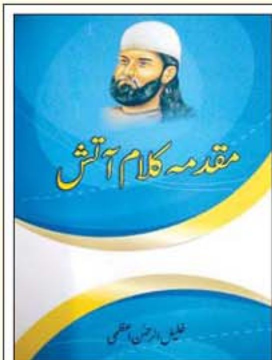

صفحات:134، قیمت:90 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی- 110066
فون:011-26109746، فیکس:011-26108159 sales@ncpul.in, E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com

BACHON KI DUNIYA Monthly, June 2019, Vol. 07, Issue: 06
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
DL(S) - 01/3439/2019-21
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/05/19
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

صفحات: 112، قیمت: 25 روپے

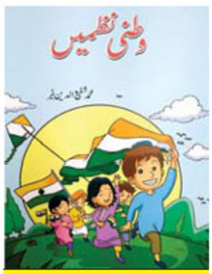

صفحات: 54، قیمت: 25 روپے

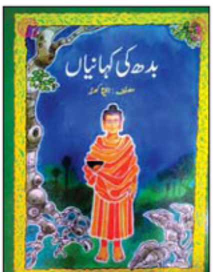

صفحات: 80، قیمت: 65 روپے

صفحات: 80، قیمت: 35 روپے

صفحات: 68، قیمت: 35 روپے

صفحات: 61، قیمت: 20 روپے

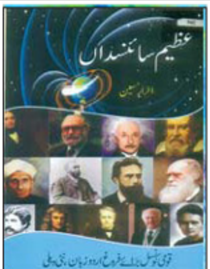

صفحات: 63، قیمت: 16 روپے

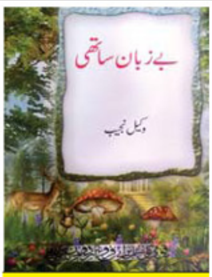

صفحات: 64، قیمت: 19 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S. Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II, New Delhi - 110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.